قومی سوانح حیات کا سلسلہ

سوامی رام تیرتھ

ڈی۔ آر۔ سود



نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا

سوامی رام تیرتھ

شری ڈی - آر - سود ۱۹۰۷ء میں پیدا ہوئے اور انہوں نے گورنمنٹ کالج لاہور سے ۱۹۲۸ء میں انگریزی میں ایم - اے کیا - پنجاب کے بہت سے کالجوں میں انگریزی کے پروفیسر کی حیثیت میں کام کرنے کے بعد وہ ۱۹۴۷ء میں اخبار "دی ٹربیون" کی بزمِ اِدارت میں چیف اسسٹنٹ ایڈیٹر کی حیثیت سے شامل ہو گئے - "دی ٹربیون" میں ۲۱ سال کی ممتاز ترین خدمت کے بعد وہ حال ہی میں ریٹائر ہوئے ہیں - بہت سے مضامین لکھنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے "ٹربیون" کی مختصر تاریخ بھی لکھی ہے -

شری ڈی - آر - سود ایک سلیم الطبع مصنف ہیں اور ان کا سوامی رام تیرتھ کا مطالعہ مفاہمت، قدر شناسی اور ہمدردی سے بھرپور ہے - یہ کتاب جو ایک عام قاری کے لیے لکھی گئی ہے اپنی ایک دلکشی رکھتی ہے -

شری سود نے نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا کے لیے مہاراجہ رنجیت سنگھ کی سوانح عمری بھی لکھی ہے -

قومی سوانح حیات کا سلسلہ

سوامی رام تیرتھ

ڈی۔ آر۔ سُود

مترجم

مخمور جالندھری

نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا

نئی دہلی

۱۹۷۴ء (۱۸۹۶)

قیمت :- آٹھ روپے

SWAMI RAM TIRTH (Urdu)

تقسیم کار :-
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی ۲۵، دہلی ۶، بمبئی ۳، علی گڑھ ۲

ڈائریکٹر نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا۔ A-5 گرین پارک، نئی دہلی ۱۶
نے لبرٹی آرٹ پریس (پروپرائٹر مکتبہ جامعہ لمیٹڈ) دریا گنج دہلی ۶ میں چھپوا کر شائع کیا

پیش لفظ

سوامی رام تیرتھ کئی اعتبار سے ایک عظیم شخصیت تھے۔ وہ ایک ایسے صوفی تھے جن میں ہندوستانی اور غیر ہندوستانی فلسفوں کے بہترین نچوڑ کا امتزاج پایا جاتا تھا۔ وہ ایک جدید یوگی اور صوفی تھے۔

قومی سوانح حیات کے سلسلے میں ان کے افسانۂ زندگی کی شمولیت کا جواز یہ ہے کہ انہوں نے ہندوستان کی جدید نسلوں کو قدیم علم و دانش کا روحانی پیغام دینے کی کوشش کی اور مغرب میں بہت سے ممالک کو ہندوستانی فلسفے اور عقل و دانش کے پیغام سے آگاہ کرنے کے لئے ایک پل کے طور پر کام کیا۔ وہ اُن عظیم شخصیتوں میں سے ایک تھے جو قومی بیداری کے ابھار سے منظرِ عام پر آئی تھیں وہ سیاسی یا قومی سرگرمیوں میں عظیم نہیں تھے لیکن ان کی تعلیم اور ان کا پیغام مقبولیت کے اعتبار سے عالم گیر تھا اور انھوں نے ہمارے نوجوانوں کے ایک وسیع حلقے کی ہمت بڑھائی کہ وہ کم مائگی اور تنگ نظری سے بالاتر رہیں اور اپنے دلوں میں عالمگیر بھائی چارے کا پیغام جذب کرلیں جس کی علمبرداری بعد میں مہاتما گاندھی نے بہت اچھی طرح کی۔ سوامی رام تیرتھ کا افسانۂ حیات تازگی بخش اور ولولہ انگیز قصّہ ہے۔

فہرست

پیش لفظ		۵
پہلا باب	پیدائش اور ابتدائی تعلیم	۹
دوسرا باب	یونیورسٹی میں	۱۷
تیسرا باب	مدرس کی حیثیت سے سوامی رام تیرتھ کی ملازمتیں	۳۴
چوتھا باب	پہاڑوں کی جانب سفر اور سنیاس	۴۸
پانچواں باب	جاپان میں پندرہ روز	۶۲
چھٹا باب	سوامی رام تیرتھ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں	۶۸
ساتواں باب	بدیس سے گھر کو واپسی	۸۳
آٹھواں باب	انجامِ سفر	۸۹
نواں باب	سوامی رام کی اخلاقی حکایات	۱۰۶
دسواں باب	تخلیقات و تصورات	۱۱۷
گیارہواں باب	خطوط اور نظمیں	۱۲۸
بارہواں باب	مذہب سے متعلق تصور	۱۴۹

پہلا باب

پیدائش اور ابتدائی تعلیم

ایک گوسائیں برہمن نے جو بعض حالتوں میں "گوسوامی" کہلاتے ہیں چترال کے نزدیک سوات میں (اب مغربی پاکستان کا حصّہ ہے) ایک خاندان کی بنیاد رکھی جس کے نوعمر فرد نے اس کا نام بہت روشن کیا۔ اس خاندان کا ایک حلقہ ہجرت کر کے مُرالی والا نام کے گاؤں میں چلا آیا جو اس وقت کے پنجاب کے ضلع گوجرانوالہ میں واقع تھا۔ انیسویں صدی کی اختتامی دہائیوں میں یہ گوسائیں خاندان وہاں رہتا تھا جس کا نمائندہ اس وقت ہیرانند تھا جو پیشے کے اعتبار سے ایک پروہت تھا۔ جب ساتویں دہائی کے آغاز میں اس کے یہاں بیٹا پیدا ہوا تو ہیرانند کے والد رام چند نے جو ایک تجربہ کار جیوتشی تھے اس بچّے کی جنم کنڈلی مرتب کی۔ کہتے ہیں کہ جب اس بوڑھے سے یہ کہا گیا کہ وہ اس جنم کنڈلی کی وضاحت کرے تو وہ بوڑھا ہنسا بھی اور رویا بھی۔ اس نے بتایا کہ بچّے کی قسمت میں یہ لکھا

ہے کہ وہ جلد مرجائے گا یا اپنی ماں سے محروم ہو جائے گا۔ اگر وہ بچہ زندہ رہا تو ایک عظیم دانشور اور مذہبی رہنما بنے گا اور وہ اپنا اور اپنے خاندان کا نام بہت روشن کرے گا۔

یہ پیشین گوئی اگر واقعی کی گئی تھی تو ہم بہت جلد دیکھیں گے کہ بالکل صحیح ثابت ہوئی۔ چند دیگر جیوتشیوں نے بھی پیش گوئیاں کی تھیں۔ ان میں یہ کہا گیا تھا کہ جب یہ بچہ سنِ بلوغ کو پہنچے گا تو دنیا سے الگ ہو جائے گا اور غیر ممالک کے دوروں میں اپنی مادرِ وطن کو عظمت عطا کرے گا اور عمر کی تیس اور چالیس سے شروع ہونے والی دہائیوں میں اس کی شہرت دور دور تک پھیلے گی، اور پانی میں ہی پیغام اجل آجائے گا۔

غالباً بہت کم ایسے تحریری تذکرے ملتے ہیں جو ان بیانات کی صحت و درستی کی تصدیق کرسکیں۔ بعض اوقات جب ایک عظیم انسان کی زندگی کے واقعات پڑھے جاتے ہیں تو ان کو قصہ کہانی یا جیوتش کی پیش گوئیوں کی صورت دے دی جاتی ہے۔ اگر گوسائیں رام چندر اور چند دیگر جوتشیوں نے واقعی یہ پیش گوئیاں کی تھیں تو وہ یقیناً دوررس نظریں رکھتے تھے۔ ان کی پیش گوئی کا زیادہ حصہ واقعی ظہور میں آیا۔ وہ بچہ جس کا بعد میں نام رام تیرتھ رکھا گیا اس کی پیدائش کے بارے میں دو تاریخیں بیان کی جاتی ہیں۔ نارائن سوامی اور پورن سنگھ کے مطابق وہ ۲۲ر اکتوبر ۱۸۷۳ء کو پیدا ہوا۔ لیکن سوامی رام تیرتھ کا بھتیجا برج لال یہ کہتا ہے کہ وہ اس سے تین سال پہلے یعنی ۱۸۷۰ء میں (بکرمی سمت ۱۹۲۷ کے کارتک مہینے میں) پیدا ہوئے۔ برج لال اس کے ثبوت میں اپنے دادا ہیرانند کے ایک خط کا حوالہ دیتا ہے جس میں پیدائش کی صحیح

تاریخ کا ذکر ہے۔ اگر یہ بیان درست ہے تو سوامی رام تیرتھ مہاتما گاندھی کے قریبی ہمعصر تھے جو ۲ر اکتوبر ۱۸۶۹ء کو پیدا ہوئے تھے۔

ابھی بچے کی عمر ایک سال سے کچھ زیادہ ہوئی ہوگی کہ اس کی ماں چل بسی۔ ہیرانند نے ننھے بچے کی پرورش کی ذمہ داری سے دوچار ہو کر اپنے ایک قریبی رشتہ دار کی مدد حاصل کی۔ اس نے اپنی بہن دھرم کور اور اس کے خاوند گوسائیں ٹھاکر داس کو یہ ترغیب دی کہ وہ جنڈیالہ چھوڑ کر رام تیرتھ اور اس کی بہن تیرتھ دیوی جو رام تیرتھ سے عمر میں صرف ایک برس بڑی تھی کو ساتھ لے کر جہاں وہ رہتے تھے چلے آئیں۔

دھرم کور جو بہت ہی مذہبی خیالات کی عورت تھی بیمار رہنے والے تیرتھ رام کو اپنی باہوں میں اٹھائے ہوئے مُرالی والا کے مندروں میں جایا کرتی تھی۔ پرستش گاہوں سے ان ابتدائی وابستگیوں نے بچے کے ذہن و دل پر گہرا نقش چھوڑا اور ایک روایت کے مطابق وہ سنکھ کی آواز کا بہت شیدائی ہو گیا جو مندروں میں صبح و شام بجایا جاتا تھا۔ اس سلسلے میں ایک کہانی بیان کی جاتی ہے کہ ایک دفعہ جب بچہ بہت رو رہا تھا تو اسے شو کے مندر میں لے جایا گیا۔ وہ چپ ہو گیا کیوں کہ وہاں سنکھ بجایا جا رہا تھا۔ تیرتھ رام بڑا ہوا تو وہ "کتھا" کا بھی بہت شائق ہو گیا۔ ہمارے پاس خود پنڈت ہیرانند کی سند موجود ہے کہ ایک دفعہ جب وہ بچے کو (عمر دو سال سے کچھ زیادہ ہوگی) کتھا میں لے گیا تو رام تیرتھ نہ صرف ساری کتھا کے دوران خاموش بیٹھا رہا بلکہ پنڈت کی طرف دیکھتا رہا۔ اگلے دن جب اپنے وقت پر سنکھ بجا تو لڑکا رونے لگا۔ کھلونے اور مٹھائیاں اسے چپ نہ کرا سکیں۔ تیرتھ رام کو جب کتھا میں لے جایا

گیا تب کہیں جا کر اس کا رونا بند ہوا۔

جب رام تیرتھ کی عمر چھ برس کی ہوئی تو اسے گاؤں کے پرائمری اسکول میں داخل کرا دیا گیا جہاں وہ ایک ذہین اور محنتی طالب علم ثابت ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے پانچ سال کا نصاب صرف تین سالوں میں مکمل کر لیا اور وہ اوّل آیا اور اس نے وظیفہ حاصل کیا۔ اس کے دل میں اردو اور فارسی کا اچھا ذوق پیدا ہوا اور اسے شیخ سعدیؒ کا کلام حفظ کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔ برج لال ذکر کرتا ہے کہ چھوٹے بچوں کا ایک گروپ دھرم شالہ میں ٹھہرے ہوئے ایک سادھو کو پرنام کرنے گیا تو اس سادھو نے ہر ایک لڑکے کے مستقبل کے بارے میں پیش گوئی کی۔ جب تیرتھ رام کی باری آئی تو اس سادھو نے پیش گوئی کی کہ یہ لڑکا روحانیت اور مذہب کے میدان میں بہت نام روشن کرے گا اور شہرت حاصل کرے گا۔

تیرتھ رام کو تفریح اور کھیل کود میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ صبح مطالعہ میں گزارتا اور دن اسکول میں۔ کتھا اسے مسحور کرتی رہی۔ ہر روز سہ پہر کے دو بجے پڑوس کی دھرم شالہ میں کتھا ہوا کرتی تھی۔ جب تیرتھ رام اپنے استاد کے پاس کتھا میں شمولیت کی اجازت لینے کے لئے گیا تو استاد نے سختی سے انکار کر دیا۔ اس پر تیرتھ رام رونے لگا۔ مولوی اس حد تک متاسف ہوا کہ اس نے لڑکے کو آرام اور کھانے کا وقفہ کتھا کے مقام پر گزارنے کی اجازت دے دی۔ تیرتھ رام اتنی باقاعدگی سے اور اتنا ہمہ تن گوش ہو کر کتھا سنا کرتا تھا کہ شام کو گھر آ کر وہ ساری کتھا سنا دیا کرتا تھا جو اس نے دن کے دوران پنڈت سے سنی ہوتی تھی۔ ابتدائی جماعتوں میں لڑکے کو اپنے استاد مولوی محمد علی سے بڑی عقیدت ہو گئی۔ نصاب ختم ہونے پر گوسائیں

ہیرانند نے اپنے بیٹے کے معلّم کو دو روپے کا رواجی تحفہ دینا چاہا تھا لیکن جب تیرتھ رام کو اس فیصلے کا علم ہوا تو اس نے یوں منہ لٹکا لیا کہ گوسائیں کو اپنے بیٹے کی خواہش پوری ہی کرنی پڑی۔ لڑکے کو جماعت میں یہ بتایا گیا تھا کہ مولوی دودھ دینے والی گائے کے تحفے کی توقع رکھتا ہے اور تیرتھ رام ایسا شاگرد نہیں تھا کہ اپنے استاد کو مایوس کر دیتا۔

اُن ایام کے سماجی رواجوں کے مطابق پنڈت ہیرانند نے تیرتھ رام کی منگنی جب کہ وہ ابھی صرف دو ہی برس کا تھا تحصیل وزیر آباد کے گاؤں "ویروکے" کے پنڈت رام چندر کی بیٹی سے کر دی تھی اور پھر سماجی رسم و رواج کی اطاعت قبول کرتے ہوئے لڑکے کی شادی گیارہ سال کی عمر میں کر دی گئی۔ تیرتھ رام اگرچہ کئی اعتبار سے قبل از وقت نشوونما حاصل کر چکا تھا لیکن وہ اس جشن و ضیافت میں دل چسپی لینے کے سوا جو شادی کی تقریب کا حصہ تھے شادی کا مطلب بمشکل سمجھ سکا ہوگا۔ بہرکیف اس نے جبر اور بندش محسوس کرتے ہوئے چند سال بعد اپنے والد سے یہ شکایت کی کہ اسے چھوٹی سی عمر ہی میں ایک گھریلو انسان کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا گیا ہے۔ لیکن اس وقت کوئی یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تیرتھ رام بہت جلد ترکِ دنیا کی شاہراہ پر گامزن ہو جائے گا اور اپنی شادی کی وجہ سے اپنے آپ کو شدید طور پر معذور پائے گا۔

تیرتھ رام کو مڈل اور ہائی اسکول کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے اپنا گاؤں مرالی والا چھوڑ کر جانا پڑا۔ اپنی پہلی بیوی کی موت کے بعد پنڈت ہیرانند نے دوسری شادی کر لی تھی۔ ان کا نیا سسر پنڈت نانک چند گوجرانوالہ میں رہتا تھا۔ ہیرانند نے اپنے بیٹے کو وہاں مشن ہائی اسکول میں داخل

کرا دیا اور نانک چند کے یہاں اس کے قیام کا انتظام کیا جہاں اس کی خوب دیکھ ریکھ کی گئی۔ گوجرانوالہ میں اپنے قیام کے دوران تیرتھ رام کی ملاقات بھگت دھنا مل سے ہوئی جس نے اس کی زندگی پر ایک پائیدار نقش چھوڑا۔

یہ دھنا مل کئی لحاظ سے ایک غیر معمولی انسان تھا۔ پیشے کے اعتبار سے وہ ایک ٹھٹھیرا تھا۔ عملی طور پر وہ اَن پڑھ تھا چونکہ ابتدائی جماعتوں میں ہی اس نے اسکول چھوڑ دیا تھا مگر اس نے اپنی زندگی کے روحانی پہلو کو کسی نہ کسی طرح فروغ دیا تھا۔ وہ کشتی لڑنے کے فن کا شائق تھا اس لیے ایک زبردست برہمچاری تھا۔ ایک سادھو نے اُسے یوگ میں مدد دی تھی اور وہ "یوگ وسشٹ" کی تفسیر کرنے میں دسترس حاصل کر چکا تھا۔ سوامی رام تیرتھ کے کہنے کے مطابق ایک وقت ایسا بھی تھا کہ دھنا مل دوسروں کے خیالات پڑھنے کی شعبدہ کار قوت رکھتا تھا لیکن بعد میں وہ یہ قوّت کھو چکا تھا۔ اس آدمی کے بارے میں پورن سنگھ کہتے ہیں کہ "بھگت دھنا مل نے تیرتھ رام کی زندگی کے ابتدائی مراحل میں روحانی باتوں کی جانب اس کے پیدائشی رجحان کو رخ عطا کرنے میں اور اعلیٰ وارفع باتوں کے لئے تجسس کی جانب اسے راغب کرنے میں بہت کچھ مدد کی۔"

تیرتھ رام نے ابھی عنفوانِ شباب میں قدم نہیں رکھا تھا کہ وہ اپنے اس نئے معلم کے زیرِ اثر آ گیا اور بہت جلد حقیقی معنوں میں اس کا غلام بن گیا۔ وہ اس کا اتنا احترام اور اس سے اتنی محبت کرنے لگا کہ اس سے جدا ہونا گوارا نہ کر سکتا تھا۔ اس غیر معمولی رشتے کی مثال ایک واقعہ ہے۔

مئی ۱۸۸۶ء میں تیرتھ رام اپنے سُسر کے گاؤں "ویرو کے" میں گیا۔ یہ ایک سرسری دورہ تھا اور کسی پیغام کے سلسلے میں تھا۔ وہاں دھنا مل کے ایک خط کے ذریعے سے اسے معلوم ہوا کہ وہ گاؤں "بدو کے" میں میلہ دیکھنے آئے گا۔ تیرتھ رام کو اپنے گرو سے اتنی عقیدت تھی کہ کئی میل پیدل چل کر میلے میں دھنا مل سے ملنے کے لیے پہنچا۔ وہ بہت مایوس ہوا جب دھنا مل وہاں نہ پہنچا۔ "ویرو کے" واپس آکر وہ کئی میل پیدل چل کر ایک پوسٹ کارڈ خریدنے کے لیے جو گاؤں میں ملتا نہیں تھا تحصیل کے صدر مقام تک پہنچا۔ یہ ان ۱۱۲۴ خطوط میں جو تیرتھ رام (بعد میں سوامی رام تیرتھ) نے اپنی زندگی کے دوران مختلف مقامات سے دھنا مل کو لکھے تھے پہلا خط تھا۔ یہ تمام مراسلے جن میں چند دوامی قدر و قیمت رکھتے ہیں اور بہت سے معمولی باتوں کے بارے میں ہیں گوسائیں خاندان نے محفوظ کر رکھے ہیں اور ۱۹۴۲ء تک وہ سوامی رام تیرتھ کے بھتیجے گوسائیں برج لال کے پاس تھے۔

بھگت دھنا مل نہ صرف تیرتھ رام کا روحانی رہنما تھا بلکہ کبھی کبھی مالی امداد دینے کا وسیلہ بھی تھا۔ دوسرے جو لوگ ہونہار نوجوان کو باقاعدگی سے روپے پیسے کی مدد دیتے تھے ان میں ڈاکٹر رگھوناتھ مل بھی شامل تھا جو پنڈت ہیرا نند کا ہم زلف تھا۔ ڈاکٹر کی بیوی اور تیرتھ رام کی سوتیلی ماں بہنیں تھیں۔ تیرتھ رام نے ۱۸۸۸ء میں میٹریکولیشن کا امتحان پاس کیا۔ بی۔ سی چھاٹرجی مشن ہائی اسکول کا ہیڈ ماسٹر جہاں تیرتھ رام پڑھتا تھا اس کی بڑی قدر کرتا تھا۔ تیرتھ رام اچھے نمبر لے کر پاس ہونے والے لڑکوں کی فہرست میں ۳۸ ویں درجے پر آیا مگر بدنصیب رہا کہ

فرسٹ ڈویژن اور وظیفہ نہ حاصل کر سکا۔ اگر تعلیمی میدان میں نمایاں کامیابی حاصل ہوتی تو اس کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی دلی خواہش آسانی سے پوری ہو جاتی۔

دُوسرا باب

یونیورسٹی میں

یہ بات غیر اغلب نہیں ہے کہ اس مرحلے سے آگے بڑھنے کی زبردست خواہش کے سلسلے میں گوسائیں ہیرانند اور اس کے بیٹے کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے۔ اُن دنوں میٹریکولیشن کا سرٹیفکیٹ نفع بخش سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا قابلِ اعتماد پاسپورٹ ہوا کرتا تھا اور ہیرانند کے حالات کو مدِ نظر رکھا جائے تو اسے موردِ الزام نہیں ٹھیرایا جا سکتا اگر وہ یہ چاہتا تھا کہ اس کا بیٹا نفع بخش ملازمت کر لے۔ لیکن تیرتھ رام، ڈاکٹر رگھوناتھ مل اور غالباً بھگت دھنا مل بھی اس کے برعکس سوچ رہے تھے۔ نارائن سوامی کے بیان کے مطابق تیرتھ رام اپنے والد سے ناراض تھا اور وہ اپنے والد کی خواہش کے خلاف کالج کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے لاہور چلا گیا لیکن گوسائیں برج لال اس بیان کے درست ہونے کی تردید کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ابتدائی مخالفت کے بعد ہیرانند نے اپنے بیٹے کے نقطۂ نظر کو تسلیم کر لیا تھا اور وہ اپنی بساط کے مطابق اس کی مالی امداد کرتا رہا۔

اس بات میں ذرہ بھر شک نہیں ہے کہ یونیورسٹی یا حکومت کی جانب سے امداد نہ ملنے پر تیرتھ رام کالج کی تعلیم کے اخراجات آسانی سے برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ یہ ضرور ہے کہ اس کی ضروریات بہت ہی کم تھیں لیکن کم سے کم خاص اخراجات ناگزیر تھے اور اس سلسلے میں امداد کہیں وسیلوں سے میسر آئی ہوگی۔ بہرکیف مئی ۱۸۸۸ء کے آغاز میں تیرتھ رام لاہور کے مشن کالج (فورمین کرسچین کالج) داخل ہوگیا۔ دھنا مل کے نام خط میں اس نے یہ انکشاف کیا کہ اس نے وچھووالی میں ایک کمرہ ایک روپیہ ماہوار پر کرایہ پر لے لیا ہے اور اسے فرسٹ ائیر کے طالب علم (انٹرمیڈیٹ) کی حیثیت سے چار روپے ماہوار فیس دینی پڑتی ہے۔ یہ ایک مسلّمہ امر ہے کہ وہ اخراجات میں انتہائی کفایت شعاری سے کام لیتا تھا اور یہ بات اس کے مزاج اور اس کے حالات کے عین مطابق تھی۔ مثال کے طور پر اس نے تین روپے میں کپڑوں کا جوڑا اور اٹھنی میں ایک جوتا خریدا۔ جب اسے چارپائی کو نئے سرے سے بُنوانے کی ضرورت پڑتی تو وہ پانچ آنے میں بُنوا لیتا۔ وہ چونکہ جُٹ کر پڑھتا تھا اس لیے اپنے پیسوں کا زیادہ تر حصّہ کتابوں اور تیل پر صرف کرتا تھا۔

لاہور میں تقریباً دس مہینے کے قیام کے بعد اسے ایک اچھا موقع نصیب ہوا۔ گوجرانوالہ کی میونسپل کمیٹی ان دنوں آٹھ روپے ماہوار کا وظیفہ اس طالب علم کو دیا کرتی تھی جو میٹریکولیشن میں شہر کے امیدواروں میں بہترین نمبر لے کر پاس ہوا کرتا تھا۔ ۱۸۸۸ء میں یہ وظیفہ جمعیت رائے نام کے ایک طالب علم کے حصّے میں آیا لیکن وہ اس وظیفے سے محروم ہوگیا جب کہ چند مہینے کے بعد اس نے کالج کی تعلیم ترک کردی۔ جب تیرتھ رام

کو اس واقعہ کا علم ہوا تو اس نے دھنا مل اور دیگر لوگوں کو لکھا کہ وہ یہ وظیفہ اسے دلوا دیں چوں کہ اس کے میٹریکولیشن امتحان کا نتیجہ اسے اس وظیفے کا اہل قرار دیتا تھا۔

بہرکیف آمدنی کے ذرائع میں اس اضافے کے باوجود تیرتھ رام کو اپنا کام جاری رکھنے میں متعدد دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ جس کمرے میں وہ رہتا تھا بہت تنگ و تاریک تھا۔ دھنا مل نے اصرار کیا کہ وہ اچھے مکان میں منتقل ہو جائے لیکن تیرتھ رام نے جواب دیا کہ جس تبدیلی کا مشورہ دیا گیا ہے وہ قابل عمل نہیں ہے۔ وچھو والی کے کمرے میں اسے جو تنہائی اور آزادی حاصل ہے کسی اور مقام پر اسے نہیں مل سکے گی۔ دو بار اس کا سامان یعنی بستر، کپڑے اور نقد روپیہ چوری ہو گیا۔ ایک بار دروازہ کھولنے پر اسے فرش پر سانپ ملا۔ اس کمرے میں کوئی روشن دان نہیں تھا اور ملیریا پھیلانے والا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تیرتھ رام اکثر بیمار ہو جاتا تھا۔ وہ ڈھابوں پر جو خوراک کھاتا تھا وہ قوت بخش نہیں تھی اور بعض اوقات اس خوراک کو اس کا معدہ ہضم نہیں کر سکتا تھا لیکن اِن کوتاہیوں کے باوجود ۱۸۹۰ء میں اس نے انٹرمیڈیٹ کے امتحان میں اچھے نمبر حاصل کیے اور فورمین کالج سے پاس ہونے والے طلبا میں وہ غالبًا اول آیا اور یونیورسٹی میں ۲۵ ویں نمبر پر رہا۔ اس دفعہ اسے وظیفہ ملا اور اس نے اسی کالج میں اپنا مطالعہ جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔

یہاں پھر والد سے کشمش کا ایک نیا موقع آیا جو یہ چاہتا تھا کہ تیرتھ رام پہلے کی طرح کوئی نوکری کرے۔ جب نوجوان نے اس کی تجویز سے اتفاق نہ کیا تو ہیرانند نے نہ صرف تمام مالی امداد بند کر دی بلکہ تیرتھ رام کی بیوی کو

لاہور میں اس کے ساتھ رہنے کے لیے بھیج دیا۔ تاہم تیرتھ رام ان مخالف حالات سے خوف زدہ ہونے والا نہیں تھا۔ وہ اس وقت بھی کسی طرح گزر بسر کرتا رہا جب کہ اس کے پاس ایک کوڑی بھی نہیں ہوتی تھی۔ ایسے بھی مواقع آتے تھے جب اسے دھنا مل کو خط لکھنے کے لیے پوسٹ کارڈ خریدنے کے لئے ایک پیسہ ادھار لینا پڑتا تھا۔ ایک خاص مہینے کے دوران گھر اور کالج کے عام اخراجات ادا کرنے کے بعد اسے پتہ چلا کہ اس کے پاس صرف تین پیسے روز خرچ کرنے کے لئے رہ گئے ہیں۔ اس نے یہ تین پیسے خوراک کے لئے اس طرح رکھے ــــ دو پیسے دوپہر کے لیے اور ایک پیسہ رات کے لیے۔

ایک دفعہ جب وہ حسب معمول شام کو ذرا دیر سے دودھ پینے کے لیے بازار گیا تو اس کا ایک جوتا نالے میں گر پڑا اور اسے نکالا نہ جا سکا۔ خوش نصیبی سے اسے پھٹی پرانی جوتیوں کی ایک جوڑی اس جگہ سے نزدیک ہی مل گئی۔ یہ ایک عورت کی جوتیاں تھیں۔ اگلے روز وہ جوتوں کا بے ڈھنگا جوڑا پہن کر کالج گیا۔

دھنا مل کی مسلسل ہدایات کے باوجود تیرتھ رام موسمِ گرما کی چھٹیوں میں گھر نہ گیا۔ وہ گیا بھی تو ۱۸۹۰ء میں کچھ ہی مدت کے لیے وہاں ٹھہرا۔ اس کے بیان کے مطابق اس وقت اس کی تین سب سے بڑی ضروریات تھیں۔ تنہائی، وقت اور کام کرنے کا ارادہ۔ اسے خطرہ تھا کہ گوجرانوالہ اور مرالی والا میں وہ اِن تینوں سے محروم ہو جائے گا۔ تیرتھ رام نے لکھا کہ اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ خلوص کے ساتھ کام اور مسلسل محنت سے تعلیم کے میدان میں امتیازی حیثیت حاصل کرے۔

کتابوں کے مسلسل مطالعہ کا ایک ناگزیر نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ اس کی بینائی بہت کمزور ہو گئی۔ کالج کے پرنسپل نے اسے ایک ماہرِ امراضِ چشم کے پاس بھیجا جس نے یہ تجویز کیا کہ وہ عینک لگائے۔ ان دنوں عینکیں لاہور میں نہیں صرف بمبئی میں ملا کرتی تھیں۔ اس نے پانچ روپے بمبئی ارسال کیے۔ اب عینک کی مدد سے وہ اچھی طرح دیکھنے لگا۔ نہ صرف بلیک بورڈ بلکہ دور کی چیزیں بھی بخوبی نظر آنے لگیں۔

تیرتھ رام نے اس عرصے کے دوران جو خطوط دھنا مل کو لکھے ان میں ہمیں اس کی جسمانی اور دماغی حالت کی ایک جھلک ملتی ہے۔ دسمبر ۱۸۹۰ء میں کالج کی نصف فیس کی رعایت واپس لے لی گئی چوں کہ دفتر میں اس کے لئے اب کوئی کام نہیں تھا۔ اگلے مہینے یہ رعایت بحال کر دی گئی کیوں کہ پرنسپل نے اسے لیکچروں کے کچھ نوٹ نقل کرنے کا کام سونپ دیا تھا۔ یہ بات بالکل واضح تھی کہ اس تعلیمی ادارے کا سربراہ تیرتھ رام کی کمزور صحت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس کی شخصیت میں گہری دلچسپی لیتا تھا۔ اس نے کالج کے ہوسٹل میں رہنے والے ایک طالب علم کو ہدایت کی کہ وہ ہر روز یہ دیکھا کرے کہ تیرتھ رام جسمانی ورزش کرنے سے پہلے تو کالج سے واپس نہیں جاتا۔ تیرتھ رام بہت خوش ہوا جب فارسی کو نصاب میں سے خارج کر دیا گیا لیکن وہ اس خبر سے بہت مایوس ہوا کہ پنجاب یونیورسٹی یہ سوچ رہی تھی کہ ریاضی کے کل نمبر ۱۵۰ سے گھٹا کر ۱۳۰ کر دے اور بیس نمبروں کا جو فرق ہے اس کا اضافہ دیگر مضامین کے کل نمبروں میں کر دے۔

تیرتھ رام کے جو ہم جماعت اس کی رہائشی جگہ پر گئے انہوں نے پرنسپل کو آکر یہ بتایا کہ تیرتھ رام بہت ہی گھناؤنے حالات میں رہتا تھا۔ اس کا نتیجہ

یہ ہوا کہ اس سے کہا گیا کہ وہ ہوسٹل میں منتقل ہو جائے جہاں رہائش اور خوراک پر اسے تین روپے نو آنے ماہوار صرف کرنے ہوں گے۔ اسے ایک اور رعایت بھی دی گئی کہ اگر وہ چاہے تو لمبی چھٹیوں کے دوران وہ باہر رہ سکتا ہے تاکہ اپنے اخراجات کم کر سکے۔ اسے ایک اور فائدہ بھی پہنچا اور وہ یہ تھا کہ کتابیں خریدنے کے بجائے وہ اپنے ساتھی طلبا سے کتابیں مستعار لے سکتا تھا۔ کالج کا حلوائی جھنڈو مل اس میں دلچسپی لینے لگا اور اس نے اس سے درخواست کی کہ وہ اپنا کھانا اس کے یہاں کھایا کرے۔ آخر کار جب وہ ہوسٹل میں منتقل ہو گیا تو وہ ایک وقت کا بھرپور کھانا وہاں کھانے لگا اور دوسرے وقت کا کھانا جھنڈو مل کے یہاں کھانے لگا جو کبھی کبھی دوسرے طریقوں سے بھی اس کی مدد کیا کرتا تھا۔

اس کے استاد اس پر بہت مہربان تھے۔ ایک بار اس کے پرنسپل نے اسے بتایا کہ کسی نے اسے پچاس روپے دیئے ہیں کہ وہ تیرتھ رام کو دے دیئے جائیں۔ نوجوان طالب علم کو یہ شک ہوا کہ یہ دان دینے والا خود پرنسپل ہی تھا۔ اس نے کہا وہ نصف رقم قبول کرے گا اور نصف رقم کالج کو دیدے گا مگر پرنسپل نے اس کی بات نہ مانی۔ تیرتھ رام نے یہ روپیہ بی۔ اے کے امتحان کے لیے اپنی داخلے کی فیس اور دیگر واجبات کے لیے ادا کیا۔ جب اس نے ۱۸۹۲ء میں امتحان دیا تو وہ مجموعی نمبروں کے اعتبار سے یونیورسٹی میں اول رہا لیکن چند نمبروں کے باعث انگریزی میں فیل ہو گیا۔ ہر کسی کو اس بات کا صدمہ ہوا لیکن تیرتھ رام کو سب سے زیادہ رنج ہوا۔ قواعد وضوابط کو بدلنے کی کوششیں کی گئیں۔ یہ تبدیلی رونما ہوئی لیکن اس کے لیے دیر سے کیوں کہ اسے بی۔ اے۔ میں ایک سال اور صرف کرنا پڑا۔

اس کے مصائب کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ وہ وظیفے سے محروم ہو گیا اور علاوہ ازیں اسے اپنے خاندان کی گزر بسر کا انتظام کرنا پڑتا تھا۔

بہر کیف تیرتھ رام بھگوان پر پورا بھروسہ رکھتا تھا۔ وہ ارادے کا بہت مضبوط تھا۔ اس کے ایک استاد پروفیسر گلبرسٹن نے ایک روز اسے ایک پیکٹ دیا۔ کالج کے اوقات کے بعد جب اس نے وہ پیکٹ کھولا تو اس نے دیکھا کہ لفافے میں تیس روپے تھے۔ وہ اپنے بہی خواہ کے پاس گیا۔ وہ بیس روپے واپس دینا چاہتا تھا لیکن اس سے کہا گیا کہ وہ ساری رقم اپنے پاس رکھ لے۔ اس نے فوراً دھنا مل کو لکھا کہ وہ لاہور آئے اور آکر یہ رقم سنبھال لے اور اس میں سے کچھ روپے اس کی سوتیلی ماں کو دیدے۔ اسے اپنے کالج کی دو مہینے کی فیس دینے کے لیے دس روپوں کی ضرورت تھی۔ اپنے باقی اخراجات کے بارے میں اس نے کہا کہ وہ انہیں اپنے عام ذرائع سے پورا کرلے گا۔

وہ مطالعہ میں کتنا ہوشیار تھا اس کی مثال اس بات سے ملتی ہے کہ ۱۸۹۲ء میں فیل ہو جانے کے بعد اس نے اپنا مضمون تبدیل کر لیا۔ وہ ابھی تک فارسی کا دلدادہ تھا اور اس نے یہ لکھا تھا کہ وہ اس کا منتخب مضمون ہے۔ اب اس نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ سنسکرت پڑھے گا جب کہ وہ ابھی تک اس زبان کا ایک لفظ بھی نہیں جانتا تھا۔ اس نے اس پر ایسی توجہ مرکوز کی اور اس کا کچھ اس طرح مطالعہ کیا کہ وہ کالی داس کے ڈرامے "رگھوونش" میں سے پیرے کے پیرے زبانی سنا سکتا تھا۔ کالی داس کا یہ ڈرامہ اس سال کے نصاب میں شامل تھا۔ جب امتحان کے نتائج کا اعلان کیا گیا تو تیرتھ رام نے فرسٹ ڈویژن حاصل کی اور یونیورسٹی میں اول آیا۔ وہ انگریزی میں بھی

اچھا رہا۔ جہاں تک علمِ ریاضی کا تعلق تھا اس نے امتحانی پرچے کے تیرہ کے تیرہ سوالات حل کر دیئے تھے جب کہ نو سوال ہی اسے امتیازی حیثیت عطا کر سکتے تھے۔ اس سال اس نے نمایاں مقام حاصل کیا تھا اس لیے سے ۳۵ روپے کے وظیفے کا اور ریاضی میں سب پر سبقت لے جانے کے لیے اسے ۲۵ روپے کے دوسرے وظیفے کا مستحق قرار دیا گیا۔ اس نے اپنے والد کو یہ خوش خبری سنائی اور یہ لکھا کہ اُسے خدا کے کرم سے یہ کامیابی نصیب ہوئی تھی۔ اسے کنووکیشن میں طلائی تمغہ اور پچاس روپے کا انعام عطا کیا گیا۔

راوی کے کنارے گورنمنٹ کالج کے پرنسپل بیل سے اس کی ملاقات کی کہانی بہت ہی دل چسپ ہے۔ یہ ۱۷ ر جولائی ۱۸۹۳ء کی بات ہے۔ تیرتھ رام کے پاس کوئی چھتری نہیں تھی۔ بارش ہونے لگی۔ مسٹر بیل نے اسے دعوت دی کہ وہ اس کی گاڑی میں شہر واپس چلا چلے۔ راستے میں نوجوان تیرتھ رام نے اپنے معزز ساتھی کو انگریزی کی چند نظمیں سنائیں اور مسٹر بیل کے سوال کے جواب میں اس نے اپنے اور اپنے خاندان کے بارے میں بتایا۔ اس نے پرنسپل بیل کو بتایا کہ اس کا یہ ارمان ہے کہ وہ اپنا ہر سانس خدا کی خدمت کرنے میں صرف کر دے۔ وہ علمِ ریاضی پڑھنا چاہتا تھا۔ مسٹر بیل تیرتھ رام کو کالج کی ورزش گاہ میں لے گئے اور اس سے یہ پوچھا کہ وہ کون سی جسمانی ورزش کرتا تھا۔ تیرتھ رام کو "چارپائی" کی ورزش مرغوب تھی اور اس نے اس کا مظاہرہ بھی کیا۔ اس نے لکڑی کی چارپائی اس کے دو پایوں سے اٹھائی اور اُسے ایک سو بار اوپر اٹھایا اور نیچے کیا۔ گورنمنٹ کالج کا کوئی بھی لڑکا اس طرح بیس بار سے زیادہ نہیں کر سکتا تھا۔

اب جب کہ حالات بہتر ہو گئے تھے اور اس کی کوششیں بار آور ثابت

ہوئی تھیں۔ یہ بات بالکل واجبی تھی کہ تیرتھ رام بی۔ اے کے بعد کی تعلیم کی آرزو کرتا۔ اسے ۶۰ روپے ماہوار وظیفہ مل گیا تھا۔ علاوہ ازیں وہ اپنے محبوب مضمون ریاضی کو آگے بڑھا سکتا تھا۔ یہ امرِ واقعہ ہے کہ اتنا روپیہ اس کی اور اس کی بیوی کی گزر بسر کے لیے کافی نہیں تھا جو اس وقت اس کے ساتھ رہ رہی تھی اور واقعی یہ صورتِ حال اتنی بُری نہیں تھی جتنی کالج میں داخل ہونے کے لیے اس کے لاہور آنے پر تھی یا جتنی چار سال بعد تھی جب کہ قسمت نے بی۔ اے کے امتحان میں اس کے ہاتھوں سے عظیم الشان کامیابی کی باگ ڈور چھین لی تھی۔ وہ فیصلہ کر چکا تھا کہ وہ ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کر کے اپنی تعلیم میں چار چاند لگائے گا۔

فورمین کرسچین کالج میں ایم۔ اے کی کلاسیں نہیں تھیں لہٰذا تیرتھ رام اپنے پوسٹ گریجویٹ مطالعہ کے لیے گورنمنٹ کالج میں داخل ہو گیا۔ دھنا مل کے لئے اس کے دل میں احترام کم نہیں ہوا تھا۔ اسے وہ ابھی تک حقیقی معنوں میں دیوتا سمجھتا تھا۔ دریں اثنا اس کی روحانی قوتیں باقاعدگی سے نشو و نما پا رہی تھیں اور خدا پر اس کا اعتقاد زیادہ مضبوط اور مستحکم ہو چکا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ قدرت کے مظاہر میں دل چسپی لینے لگا اور اس پر طرہ یہ کہ وہ جس بات کا مشاہدہ کرتا تھا اسے خوش آئند طریقے سے بیان کر دیتا تھا۔ وہ دھنا مل کو خط اردو میں لکھتا چلا آ رہا تھا جس میں وہ بڑی آسانی اور روانی سے اپنے خیالات کا اظہار کر سکتا تھا۔ جولائی ۱۸۹۳ء میں لکھے ہوئے ایک خط میں لاہور میں ساون کی موسلا دھار بارش کا بڑے ہی شگفتہ انداز میں ذکر کیا گیا ہے۔ اظہار و بیان کی یہ قوت اس کے آخری ایام تک برقرار رہی۔

جہاں تک اس مرحلے پر اس کی دنیاوی آرزو کا تعلق تھا وہ یہ تھی

کہ وہ ریاضی میں کالج کا لیکچرار بننا چاہتا تھا۔ ڈی۔ اے۔ وی۔ کالج میں ایک اسامی خالی تھی مگر وہ اسے حاصل کرنے میں ناکام رہا۔ وہ فورمین کرسچین کالج میں اپنے ایک استاد کے لیے چند مہینوں تک کام کر چکا تھا جو بیماری کی چھٹی پر چلا گیا تھا۔ حکومتِ ہند کو اُس سال بدیس میں مطالعہ کے لیے ایک طالب علم کو وظیفہ دینا تھا۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس کے پرنسپل اور یونیورسٹی کے رجسٹرار نے تیرتھ رام کے نام کی سفارش کی لیکن یہ وظیفہ آر۔ پی۔ پرانجپئی کو ملا جو بعد میں کیمبرج میں سرکردہ رینگلر (ریاضی میں اول آنے والا) بنے۔ شاید اس میں بھی مشیت ایزدی شامل تھی کیوں کہ کون جانتا ہے کہ بدیس میں طویل قیام نوجوان تیرتھ رام کی توجہ دنیاوی آسائش کی طرف مبذول کر دیتا۔ بہرکیف جہاں تک اس کی نجی رغبتوں کا تعلق تھا وہ ٹیچر یا مبلغ بننا چاہتا تھا۔

۱۸۹۴ء کے آغاز میں اس کی بہن تیرتھ دیوی وفات پا گئی۔ وہ عمر میں اس سے صرف ایک برس بڑی تھی اور اس کی موت پر اسے گہرا دکھ ہوا۔ اس نے اپنے ایک خط میں لکھا تھا کہ وہ اس سے اتنا پیار کرتا تھا جتنا دنیا میں کسی سے نہیں کرتا تھا۔ علاوہ ازیں گھریلو پریشانیاں اسے زیر بار کرتی رہیں۔ وظیفے کی رقم کے باوجود اس کے اخراجات اس کی آمدنی سے بڑھ جاتے۔ اپنی اور اپنی بیوی کی گزر اوقات اور کبھی کبھی اپنے والد اور دھنا مل کو روپیہ بھیجنے کے علاوہ وہ چند غریب طلبار کی مدد بھی کیا کرتا تھا لہٰذا یہ بات حیرت انگیز نہیں ہے اگر وہ سدا قلاش ہی رہتا تھا اس کے بھتیجے برج لال کی یہ مصدقہ رائے ہے کہ رام تیرتھ کی بہت سی مالی دشواریاں اس بات سے پیدا ہوتی تھیں کہ وہ کتابیں خریدنے کی ناقابل علاج عادت کا شکار

تھا۔ تیرتھ رام کتابوں کے مطالعہ کو بڑی اہمیت دیتا تھا اور اس لئے اپنی پسند کی کتابیں خریدنے کے واسطے روپیہ قرض پر لینے سے بھی نہیں ہچکچاتا تھا۔ اس کے بعد وہ اپنی ماہانہ آمدنی میں سے یہ چھوٹے چھوٹے قرضے ادا کرتا رہتا تھا۔ اس کا باپ یہ توقع کرتا تھا کہ وہ ہر مہینے کچھ نہ کچھ روپیہ بچاتا رہے تاکہ وہ اپنے امتحان کی فیس ادا کر سکے لیکن مشورہ کارگر ثابت نہ ہوا اور اس کے ایک ماموں غالباً ڈاکٹر رگھوناتھ مل کو وقت آنے پر اس مقصد کے لئے اس کی مدد کرنی پڑی۔

اس نے اپنے ایک خط میں (۹ر فروری ۱۸۹۴ء) گورنمنٹ کالج میں دو سالوں کے دوران جب کہ وہ پوسٹ گریجویٹ طالب علم تھا اپنے روزمرّہ کے دستورالعمل کا بہت تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ وہ صبح پانچ بجے اٹھتا تھا۔ دو گھنٹے تک مطالعہ کیا کرتا تھا۔ صبح کی جسمانی ورزش اور نہانے کے بعد وہ اپنے میزبان کے گھر پیدل چل کر جایا کرتا تھا اور راستے میں کچھ پڑھا کرتا تھا۔ وہاں وہ کھانا کھاتا اور پھر اس کے ساتھ کالج چلا جاتا۔ وہاں سے واپس آتے ہوئے راستے میں اپنے روزانہ راشن کا دودھ پیتا۔ وہ گھر میں صرف تھوڑی دیر کے لیے رہتا۔ ایک گھنٹے تک تیز تیز چلتا ہوا وہ راوی کے کنارے پر پہنچ جاتا۔ وہاں وہ تھوڑی دیر کے لیے رہتا۔ دریا کے کنارے پر ٹہلتا۔ راہ میں باغات سے گزرتا ہوا واپس آتا اور شام کا دھندلکا پھیلنے تک اپنے مکان کی چھت پر رہتا۔ شام کی ورزش کا وقت ہو جاتا اور پھر وہ مطالعے میں مصروف ہو جاتا۔ کھانا کھانے کے بعد وہ اپنے ایک شاگرد کے ساتھ کام کرتا اور پھر رات کے دس بجے تک اپنی کتابوں کا مزید مطالعہ کرتا اور اس کے بعد سو جاتا۔ ان سالوں میں تیرتھ رام کی صحت اس وقت

کی بہ نسبت بہت اچھی تھی جب کہ وہ بی۔ اے۔ کا طالب علم تھا۔ اس بات کے باوجود "میں جب بھی اپنی ٹانگوں پر کھڑا ہوتا ہوں ہمیشہ پڑھتا رہتا ہوں" اس کی صحت اچھی رہی۔ اس نے اچھی صحت کا راز پا لیا تھا۔ اچھی طرح کام کرنے والا معدہ۔ وہ ایک خط میں انکشاف کرتا ہے "میں بہت کم خوراک کھاتا ہوں اور میں جو کچھ بھی کھاتا ہوں اچھی طرح چبا کر کھاتا ہوں۔"

علمِ ریاضی سے اس کو سب سے زیادہ وابستگی اور عقیدت برقرار رہی۔ ۱۸۹۱ء کے آخر میں دھنا مل کے نام اپنے خط میں اس نے انکشاف کیا کہ اس نے ایک پیچیدہ سوال حل کرنے میں پورے چوبیس گھنٹے صرف کیے۔ پورن سنگھ نے اس سلسلے میں ایک دل چسپ کہانی بیان کی ہے۔ یہ قصہ اس نے خود سوامی جی سے سنا تھا۔ ایک دفعہ تیرتھ رام کے سامنے اعلیٰ ریاضی کے بہت سے سوالات تھے جن کو حل کیا جانا تھا اور اس نے یہ حلف اٹھایا کہ اگر وہ سورج نکلنے سے پہلے ان کو حل نہیں کر سکے گا تو خودکشی کرے گا۔ اس نے اپنی نشست کے پیچھے ایک بڑا چاقو رکھ کر اس واقعے کے لیے اپنے آپ کو تیار کر لیا۔ آدھی رات تک تین سوال حل کر لیے گئے مگر چوتھے کا واقعی کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا۔ پو پھٹی اور وہ سوال حل نہ ہو سکا۔ اپنے وعدے پر قائم رہتے ہوئے تیرتھ رام اپنے مکان کی چھت پر چلا گیا اور چاقو کی تیز نوک اپنے حلق پر رکھ دی۔ خراش سے خون بہنے لگا اور وہ کچھ دم بخود سا ہو گیا لیکن کسی نہ کسی طرح اس سوال کا حل بھی نمودار ہوا جیسے وہ فضا میں روشن حروف میں لکھا ہوا ہو۔ وہ تیزی سے نیچے آیا تاکہ اس نے جو کچھ دیکھا تھا اسے لکھ لے۔ کالج میں اس کے پروفیسر نے تیرتھ رام کی ذہانت پر حیرت کا اظہار کیا۔ شاید وہ سوالات اس کے لیے بھی بہت دشوار ثابت

ہوئے تھے۔

علمِ ریاضی کے لیے نوجوان طالب علم کے جنون کی کوئی حد ہی نہیں تھی۔ وہ گھنٹوں بیٹھا رہتا اور پیچیدہ سوالات پر غور کرتا رہتا اور ان کے حل ڈھونڈتا رہتا۔ اس مضمون کے لیے اس کی محبت اس وقت تک برقرار رہی جب تک کہ اس کے ذہن میں ایک اور زیادہ اہم موضوع نہ سما گیا۔ چند سالوں کے بعد جب وہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ گیا تو اس نے اپنے ایک لیکچر کے دوران اپنے امریکی سامعین کو یہ بتایا کہ ریاضی کے استاد کی حیثیت سے وہ سوالات اتنی تیزی سے حل کر سکتا تھا جتنی تیزی سے انہیں لکھ سکتا تھا۔ اس نے اس روانی کی اصلیت کی وضاحت بھی کی۔

تیرتھ رام نے مختلف قاعدے اتنی اچھی طرح سیکھ رکھے تھے کہ وہ اس کی انگلیوں پر تھے۔ درحقیقت وہ اس وقت ایک کمپیوٹر جیسا دماغ رکھتا تھا جب کہ کمپیوٹروں سے کوئی واقف نہیں تھا۔ مثال کے طور پر وہ اٹھارہ ہندسوں کی ایک رقم لے کر اسے سترہ ہندسوں کی دوسری رقم سے پلک جھپکنے میں ضرب دے سکتا تھا اور حاصل ضرب ایک ہی سطر میں لکھ سکتا تھا۔ اس نے یہ انکشاف کیا کہ اس نے یہ مہارت محض مشق سے حاصل کی تھی۔ جب وہ بی۔ اے۔ میں تھا تو اس وقت بھی وہ کچھ عرصے کے لیے روزانہ ایک گھنٹے تک ٹیچر کی جگہ کام کرتا تھا جب کہ فورمین کرسچین کالج میں اس کا پروفیسر گلبرٹسن علیل ہوا کرتا تھا۔ بعد میں جب پروفیسر گلبرٹسن خرابیٔ صحت کے باعث چھٹی پر امریکہ چلا گیا تو تیرتھ رام اس کی جگہ پڑھاتا رہا حالاں کہ وہ ابھی ایم۔ اے۔ کا ہی طالب علم تھا۔ ان مہینوں کے دوران جب کہ وہ قائم مقام لیکچرار ہوا کرتا تھا اپنی کرسی پر نہیں بیٹھتا تھا اور کھڑا رہ کر طلباء کے سامنے

لیکچر دیا کرتا تھا۔ جب پروفیسر گلبرٹسن واپس آیا تو وہ اپنے نوجوان دوست کے لیے سونے کی ایک گھڑی لایا۔

اگرچہ نوجوان تیرتھ رام عمر اور ذہنی صلاحیتوں کے اعتبار سے پروان چڑھ چکا تھا لیکن وہ دھنا مل کو اپنا گرو مانتا رہا۔ وہ اپنی زندگی کے چھوٹے چھوٹے واقعات سے اسے مطلع کرتا اور فی الواقع گرو سے پہلے اجازت لیے بغیر کوئی قدم نہ اٹھاتا۔ وہ وقت اور روپیہ صرف کر کے باقاعدگی سے اسے خط لکھتا تھا۔ اس وقت بھی جب دھنا مل ناراض ہو جاتا اور ملامت انگیز اور سخت زبان استعمال کرتا تیرتھ رام اس سرزنش کو صبر اور تحمل سے برداشت کر لیتا اور خط کا جواب دیتے ہوئے یہ کہتا کہ وہ "اس کے بارے میں ذرہ بھر کوئی بُری بات نہیں سوچتا" اب اس نوجوان کی باری آگئی تھی کہ وہ اپنے بزرگ کو مشورہ دیا کرے۔

ایک دفعہ اس نے لکھا کہ دھنا مل کی تند مزاجی کا باعث اس کا معدہ تھا اور اس نے اس کی خرابیٔ ہاضمہ کے لیے ایک نسخہ بھیجا۔ ایک اور خط میں اس نے لکھا کہ اچھی صحبت، مقدس کتابیں اور پرارتھنا انسان کو تین لوکوں (تین دنیاؤں) کا بادشاہ بنا دیتی ہیں۔

بظاہر اب دھنا مل کچھ زیادہ ہی خفا ہونے لگا تھا۔ اور برہم دبرافروختہ شخص کی طرح برتاؤ کرنے لگا تھا۔ تیرتھ رام نے اسے مشورہ دیا "خدا اس شخص کا ساتھ دیتا ہے جو گوشۂ تنہائی میں رہتا ہے اور کم کھاتا ہے۔" دوسرا پیارا مشورہ یہ تھا: "اگر ہم امن وسکون چاہتے ہیں تو پھر ہمیں اپنے جسم سے یوں سلوک نہیں کرنا چاہیئے کہ وہ ہمارا ہے۔ ہمارا جسم تو خدا کا ہے اور ہمیں وقت صرف خدا کا کام کرتے ہوئے گزارنا چاہیئے۔"

ایک دفعہ جب دھنا مل نے اسے اپنے رشتے داروں کے ساتھ جھگڑے کے بارے میں لکھا تو تیرتھ رام نے یہ صلاح دے کر اس کی تشفی کی کہ خدا کبھی تند خو نہیں ہوتا بلکہ زندہ دل اور شوخ ہوتا ہے۔ بعض اوقات ہمارے مصائب اس کی شوخی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تیرتھ رام کو اپنی زندگی میں کبھی مصیبت کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ اگرچہ اسے وظیفے کا روپیہ ملتا تھا اور ٹیوشن (پڑھانے) سے اسے آمدنی ہوتی تھی لیکن اکثر اس کے پاس روپے کی کمی رہتی تھی۔ کبھی کبھی اس کے پاس اتنے پیسے بھی نہیں ہوتے تھے کہ وہ دھنا مل کو خط لکھنے کے لیے پوسٹ کارڈ خرید سکے۔ بہرکیف وہ خدا پر لامحدود یقین رکھتا تھا کہ وہ بے پناہ مددگار ہے اور اس کا یہ اعتقاد کبھی غلط ثابت نہیں ہوا تھا۔ جب اس کے پاس ایم۔ اے۔ کے امتحان میں داخلے کی فیس ادا کرنے کے لیے روپیہ نہیں تھا اس کے ماموں ڈاکٹر رگھوناتھ مل نے روپیہ بھیج دیا۔ جب نتیجے کا اعلان کیا گیا تو اس نے ممتاز ترین کامیابی حاصل کی۔ اگرچہ اس کے سال بھر کا ریکارڈ بی۔ اے۔ کے سال کی طرح عظیم الشان نہیں تھا لیکن اس کی کامیابی بہت نمایاں تھی۔ اس نے اپنے ماموں کو خوش خبری سنائی اور لکھا "امتحان بہت دشوار تھا۔ ہندوستان کی کسی اور یونیورسٹی میں اتنے سخت پرچے نہیں آئے تھے۔"

اُن ایام میں ایم۔ اے۔ کے امتحان کے لیے بہت کم امیدوار ہوا کرتے تھے۔ جب تیرتھ رام نے ۱۸۹۵ء میں امتحان دیا تو وہ شاید واحد امیدوار تھا یا صرف وہی کامیاب ہوا تھا۔ اس سے پہلے ۱۸۹۱ء میں ایک امیدوار نے

ایم۔ اے۔ پاس کیا تھا۔ لہٰذا تیرتھ رام کی کامرانیوں اور اس کی اور اس کے رشتہ داروں اور دوستوں کی خوشی کا اندازہ آسانی سے لگایا جا سکتا تھا کہ اس نے ایک امتیازی رتبہ حاصل کیا تھا۔ تیرتھ رام کے ردِّ عمل کا نمایاں پہلو یہ تھا کہ اس نے اپنی کامیابی کو خدا کے فضل و کرم سے تعبیر کیا تھا۔

اب تیرتھ رام اپنے لیے ملازمت حاصل کرنے کے مسئلے سے دوچار ہوا۔ اس کا والد اور اس کے خاندان کے باقی افراد جن میں اس کا گرو دھنا مل بھی شامل تھا، اب یہ توقع کر رہے تھے کہ وہ ایک ایسی ملازمت اختیار کرے گا جو اس کی تمام تعلیمی زندگی کی عظیم الشّان کامیابیوں کی مناسبت سے روپیہ کمانے میں مدد دے گی۔ اعلیٰ عہدوں پر فائز اس کے سرپرست اور احباب یقیناً اسے سول یا محکمۂ تعلیم میں موزوں ملازمت دلوا سکتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ گورنمنٹ کالج کے پرنسپل بَیل نے یہ پیش کش کی تھی کہ وہ اسے صوبائی انتظامیہ محکمے میں مقرر کرا دے گا لیکن تیرتھ رام نہ مانا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے یہ جواب دیا کہ میں نے اتنی محنت اس لیے نہیں کی ہے کہ اپنی فصل بیچ دوں بلکہ اتنی محنت اس لیے کی ہے کہ اس فصل کو تقسیم کروں۔ اس نے پُر اعتماد الفاظ میں اس امر کا اظہار کیا کہ وہ انتظامی یا ایگزیکٹیو ملازمتوں کے برعکس درس و تدریس کے پیشے کو ترجیح دیتا ہے۔ مثال کے طور پر اسے میرٹھ اور بریلی (یو۔پی) میں لیکچرار کی ملازمت مل سکتی تھی لیکن تیرتھ رام کے دوست اس بات کے خلاف تھے کہ وہ پنجاب سے باہر جائے۔ پشاور کے ہائی اسکول میں ہیڈ ماسٹر کی اسامی خالی تھی لیکن پرنسپل بیل اس بات کے خلاف تھا کہ وہ یہ ملازمت کرے۔ اتنا وقت گزر جانے پر یہ بات بہت عجیب معلوم ہوگی کہ اس نے محکمۂ تعلیم عامہ کے ڈائریکٹر کو محکمۂ تعلیم میں ملازمت کے لیے جو درخواست

دی وہ بے کار ثابت ہوئی۔ تیرتھ رام نے اپنے پرنسپل کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے انٹرمیڈیٹ اور بی۔ اے۔ کے طلبا کو بالترتیب دس روپے اور پندرہ روپے فی طالب علم کے حساب سے ریاضی پڑھانے کی پرائیویٹ کلاسوں کا اشتہار دیا۔ صرف ایک طالب علم دس روپے دے کر پڑھنے کے لیے آیا۔

تیرتھ رام کی دشواریوں میں یوں اضافہ ہوا کہ گرمیوں کی سخت تپش میں کڑی محنت کرنے سے اس کی صحت خراب ہو گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسے کچھ عرصہ اپنے گاؤں میں گزارنا پڑا۔ اس قیام سے اسے بہت فائدہ ہوا اور وہ جولائی میں پھر لاہور واپس آگیا تاکہ اپنے مستقبل کو کوئی مناسب شکل دینے کی ایک اور کوشش کر سکے۔

تیسرا باب

مدرّس کی حیثیت سے تیرتھ رام کی ملازمتیں

لاہور واپس آنے پر تیرتھ رام کو سناتن دھرم سبھا کی تعلیمی کمیٹی کا رکن چنا گیا اور اسے یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ اس اسکول کے ریاضی اور سائنس سے متعلق شعبوں کی دیکھ بھال کرے جسے سبھا شہر میں چلا رہی تھی۔ اس نے اپنے کام میں جو دلچسپی لی اس نے اس اسکول کے طریقۂ کار میں نئی زندگی پھونک دی بلکہ اس دوران غالباً شغل کے طور پر تیرتھ رام نے ڈی۔ اے۔ وی۔ ہائی اسکول میں ڈرائنگ سیکھنی شروع کر دی۔

ستمبر ۱۸۹۵ء میں اس نے ۸۰ روپے ماہوار پر سیالکوٹ کے مشن ہائی اسکول میں سیکنڈ ماسٹر کی ملازمت قبول کر لی۔ پہلے کی طرح وہ اپنی تنخواہ کا بیشتر حصہ ضرورت مند طلبا کی امداد پر صرف کرتا رہا۔ وہ اپنے ساتھ یہ شہرت لے کر آیا تھا کہ وہ ریاضی کا ایک بہت ہی ذہین ٹیچر تھا جس کے باعث اسکول میں طلباء کی تعداد بڑھ گئی لیکن سیالکوٹ میں اپنے

ابتدائی ایام کے دوران اسے اپنے ایک شناسا سے دس روپے قرض لینے پڑے۔ کہا جاتا ہے کہ قرض خواہ کے مسلسل احتجاج کے باوجود وہ اس وقت تک دس روپے ماہوار ادا کرتا رہا جب تک کہ وہ اس اسکول میں اس ملازمت پر رہا۔ اپنے اسکول کے فرائض ادا کرنے کے بعد تیرتھ رام اپنا کافی وقت شہر کی سناتن دھرم سبھا کی خدمت کرنے میں صرف کرتا۔ وہ کبھی کبھی سناتن دھرم سبھا کے پلیٹ فارم سے تقریر کرتا اور بے شمار لوگ جن میں نامور لوگ شامل ہوتے اس کی تقریر سننے کے لیے آتے۔ مشن اسکول میں ایک مسلم ٹیچر تھا جو اسکول کے ہوسٹل کا سپرنٹینڈینٹ تھا۔ ایک دفعہ اس نے ہوسٹل کے کچن میں گائے کا گوشت پکانے کی اجازت دے دی۔ ہوسٹل میں رہنے والے متعدد طلبا نے شکایت کر دی اور اس ٹیچر کو ملازمت سے برطرف کر دیا گیا۔ اس کی جگہ تیرتھ رام کو ہوسٹل کا سپرنٹینڈینٹ بنا دیا گیا۔ نتیجے کے طور پر وہ جس کوارٹر میں منتقل ہوا، اسے دیکھ کر خوش ہوا کیوں کہ وہ کوارٹر وسیع وعریض تھا اور وہاں مقابلتاً زیادہ تنہائی میسّر آتی تھی۔ اسے جو لمحاتِ فرصت میسّر آتے انہیں وہ جلسۂ عام میں تقریر کرنے اور نواحی قصبوں کے مناظر دیکھنے میں صرف کرتا۔ سیالکوٹ میں اس کے قیام کے دوران اس کا سُسر اور اس کی سوتیلی ماں وفات پا گئے۔ اسی عرصے کے دوران اسے پنجاب یونیورسٹی کے میٹریکولیشن کے امتحان کے لیے ریاضی کا نائب ممتحن مقرر کیا گیا۔ اس کے بعد جب وہ لاہور میں تھا تو اس نے اسی حیثیت سے انٹرمیڈیٹ اور بی۔ اے۔ کے امتحانوں کے لیے کام کیا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سیالکوٹ کی آب و ہوا اسے راس نہ آئی۔ اگرچہ وہ باقاعدگی سے جسمانی ورزش کرتا تھا اور صبح نہانے کے لیے دریا کے

کنارے تک پیدل جایا کرتا تھا پھر بھی وہ دبلا ہوتا گیا اور ایک دن (۳ دسمبر) اس پر اسکول سے واپس آتے ہوئے غشی کا دورہ پڑ گیا۔

اس کی آنکھیں اور اس کا معدہ بھی اسے اس حد تک تکلیف دیتے رہے کہ ایک موقع پر اسے ایک ہفتے تک محض دودھ پر گزارا کرنا پڑا۔ یہی وجہ ہے کہ تیرتھ رام نے اپنی "فیاض ماں" جیسی درس گاہ یعنی لاہور کے فورمین کرسچین کالج میں ریاضی کے لیکچرار کی حیثیت سے اپنے تقرر کا دگنی خوشی سے خیر مقدم کیا۔ اس کو یہ ملازمت پروفیسر گلبرٹسن کی جگہ دی گئی جو ریٹائر ہو رہے تھے اور جو مسلسل اس کی خوش حالی میں دل چسپی لیتے رہے تھے۔ اس ملازمت کی پیشکش دسمبر ۱۸۹۵ء کے آخر میں کی گئی۔ تیرتھ رام نے مارچ ۱۸۹۶ء میں مشن اسکول کی ملازمت چھوڑ دی۔ اس کی روانگی کے وقت اسکول کا عملہ اور طلبا اور سناتن دھرم کے بہت سے ممبر اور مقامی معززین اس سے الوداع کہنے کے لیے اسٹیشن پر آئے۔ اس کے بعد مشن اسکول کا امریکی ہیڈ ماسٹر لاہور میں تیرتھ رام کے قیام کے دوران جب کبھی لاہور آتا تو وہ تیرتھ رام کے یہاں ٹھہرتا۔

تیرتھ رام نے اپنی کالج کی ملازمت اپریل ۱۸۹۶ء میں سنبھالی اور چند ہی مہینوں کے بعد اسے ترقی دے کر اعلیٰ پوزیشن پر فائز کر دیا گیا۔ ان دنوں کے ایک خط سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ڈی۔ ایس۔ سی۔ کی ڈگری کے واسطے کچھ تحقیقی کام کرنا چاہتا تھا لیکن اس کی یہ خواہش قابلِ عمل نہ ثابت ہوئی۔ بہر کیف کالج میں لیکچرار کے کام نے اس کی زندگی میں ایک نئے باب کا آغاز کیا۔ اُسے جو کام کرنا پڑا وہ اسے دل سے پسند تھا۔ دنیاوی فرائض ادا کرنے کے ساتھ ساتھ روحانی امور میں اس کی دل چسپی بڑھتی رہی۔ درحقیقت

لاہور واپس آکر مذہب کے حق میں اس کا رجحان زور پکڑتا گیا اور خالص دنیاوی امور کی طرف اس کی توجہ مقابلتاً کم ہوتی چلی گئی۔ تیرتھ رام اس بات میں یقین نہیں رکھتا تھا کہ وہ دولت یا دیگر دنیاوی ساز و سامان جمع کرے۔ تنخواہ یا دیگر کاموں کا جو معاوضہ اس کے ہاتھ لگتا تھا وہ غریبوں کو دے دیتا اور چند ہی روز میں وہ خود ان جیسا حاجت مند بن جاتا۔ ممتحن کی حیثیت سے کام کرنے کے لیے پنجاب یونیورسٹی سے اسے جو ۳۵۰ روپے کی رقم ملتی تھی وہ زیادہ دیر تک اس کے ہاتھ میں نہ رہتی۔ اکثر دو ہی دن میں اس کے پاس صرف ایک روپیہ رہ جاتا تھا۔

ایسے معاملات میں اس کا جو اعتقاد تھا وہ اس کے ۵ رجون ۱۸۹۶ء کے خط سے ظاہر ہے جو اس نے دھنا مل کو لکھا تھا۔ اس نے کہا کہ اسے اپنی بیوی کے لیے زیور یا گھر کا فرنیچر خریدنے سے کوئی خوشی نہیں ہوتی۔ میرے لیے تو درخت کی چھاؤں ہی گھر ہے، راکھ ہی ذاتی لباس ہے، ننگی زمین ہی بستر ہے اور دوسرے جو روٹی دیتے ہیں وہ میری خوراک ہے۔ اس نے اپنے گرو کو بتایا کہ اسے جو کچھ کالج سے ملتا تھا وہ اس کے لیے محفوظ رکھے گا اور وہ جس طرح چاہے اسے خرچ کر سکتا ہے۔ اس نے لکھا "میرا فرض یہ ہے کہ میں کام کروں اور اپنے دل میں بھگوان کا چھوٹا سا مندر بناؤں۔"

اسے علم ریاضی سے اتنی گہری وابستگی تھی کہ اس نے محسوس کیا کہ اس مضمون کے مطالعہ کو مقبول بنانا چاہیئے۔ کچھ عرصے سے وہ اپنے دماغ میں اس خیال کی پرورش کر رہا تھا کہ وہ ریاضی کے مطالعہ کی اہمیت پر لیکچروں کا سلسلہ شروع کرے۔ بہر کیف اس نے ایسے مقالوں اور مباحثوں کا مسودہ

تیار کیا جن کو بعد میں ایک کتاب کی صورت میں اس کے اپنے خرچے سے شائع کیا گیا۔ اس پمفلٹ پر تیرتھ رام کا ۱۲۵ روپے خرچ آیا۔ بیشتر پمفلٹ مفت تقسیم کیے گئے اور علمِ ریاضی کے شیدائیوں نے اس پر بہترین تبصرے کیے۔

ان میں سے دو لیکچر تیرتھ رام کی تخلیقات کے مکمل مجموعے میں شامل ہیں۔ وہ پہلا لیکچر اس مشورے سے شروع کرتا ہے "علم حاصل کرنے کے لیے ہی علم سیکھو" تیرتھ رام ریاضی کا موازنہ ایک سمندر سے اور یونانی دیو مالا کے اساطیر (یونانی دیوتا جس کے کان اور دم گھوڑے کی اور شکل انسان کی تھی) سے کرتا ہے جو بظاہر کھُردرا اور گھناؤنا ہوتا ہے لیکن حقیقی معنوں میں باطنی حسن رکھتا ہے۔ "علمِ ریاضی آفتاب کی روشنی کی طرح غور و فکر نہ کرنے والے ہجوم کو بالکل بے رنگ نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں وہ روشنی دھنک کے رنگوں کا مرکب ہوتی ہے۔" "علم ریاضی محدود مقداروں سے لامحدودیت کے خِطّے کی طرف لے جاتا ہے۔" "صرف تیسری آنکھ یعنی مہادیو کی تیسری آنکھ کی ضرورت ہے تاکہ مسرت کی پاربتی اور ریاضی کے پربتوں کی عظمت کو ڈھونڈا جا سکے۔"

دوسرے لیکچر کے ساتھ یہ مشورہ ہے کہ اس مضمون میں کس طرح اچھی مہارت حاصل کی جا سکتی ہے۔ پہلی ضروری بات یہ ہے کہ عادات میں اعتدال ہونا چاہیے اور ہلکی اور سادہ غذا اور مناسب جسمانی ورزش دوسری ضروری بات ہے۔" ریاضی کو حفظ نہیں کیا جا سکتا اور اسے حفظ کرنا بھی نہیں چاہیے۔ دماغ سے پریشانی اور تفکرات دور کر کے اس مضمون پر مسلسل کام کرنا چاہیے۔ ریاضی کے طالب علم کا دل ہمیشہ انکسار پسند ہونا چاہیے اور اس کی روح اطاعت شعار ہونی چاہیے۔ اور آخر میں ہم جو کچھ کرتے ہیں ہمیں صرف اپنے ہی

عروج کی کوشش نہیں کرنی چاہیے بلکہ خدا کی عظمت کو فروغ دینا چاہیے۔"

تیرتھ رام اب آہستہ آہستہ اور باقاعدگی سے خدا کے عرفان کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اس نے کہا کہ خدا تک پہنچنے کے تین طریقے ہیں۔ راہِ عمل یا کرم یوگ جو سرگرمی اور محبت کا راستہ ہے۔ بھگتی یوگ جو جذبات اور عقل کا راستہ ہے۔ اور گیان یوگ جو غور و فکر کا راستہ ہے۔ اس نے اپنے لیے دوسرا یعنی بھگتی کا راستہ منتخب کیا جس نے گیتا کے مسلسل مطالعے سے اور بھگوان کرشن سے رومان انگیز محبت سے ایک خاص رنگ اختیار کیا تھا۔ بانسری کی آواز سنتے ہی وہ گرد و پیش کو بھلا دیتا تھا اور بعض اوقات کرشن کا نام سنتے ہی اس پر وجد طاری ہو جاتا تھا۔ وہ راوی کے کنارے پر اپنے خوابوں کے خدا کو ڈھونڈتا ہوا سرگرداں رہتا تھا۔ بھگتی یوگ کے ان مہینوں کے دوران ایک دفعہ اس کے ایک دوست نے اسے آسمان میں کالے بادلوں کو بھگوان کرشن سمجھ کر ان سے خطاب کرتے ہوئے دیکھا۔ اس کے جذبات اس قدر شدید تھے کہ جلد ہی اس پر بے ہوشی سی طاری ہو گئی۔ ایک اور موقع پر ایک پنڈت سے تلسی داس کی رامائن سن کر وہ رو پڑا۔ یہ بے خودی اور وجد اس قدر طویل تھا کہ اس روز کے لیے کتھا ترک کر دی گئی۔

گیتا اور بھگوان کرشن کی محبت اسے اگست ۱۸۹۶ء میں متھرا، ورندابن اور مغربی یوپی کے ان دیگر مقامات پر لے گئی جو بھگوان کرشن کی زندگی سے وابستہ ہیں۔ وہ پنڈت دین دیال کے ہمراہ ان مقامات پر گھومتا رہا جو ان دنوں سناتن دھرم سبھا کے لیے مقدس تھے۔ اپنے اس دورے میں اس نے بھگوان کرشن کی تعریف میں منعقد ہونے والے کیرتنوں میں شرکت کی۔ ایک دفعہ اس نے عام اعلان کیا کہ جب وہ نہا رہا تھا تو

اس نے بھگوان کرشن کے درشن کیے۔ لاہور آکر اس نے بھگتی یوگ پر تقریریں کرنی شروع کر دیں۔ اس کی تقریر کا انداز اتنا پُر خلوص اور برجستہ ہوا کرتا تھا کہ وہ اپنی روانی اور فصاحت سے سامعین کو ہمہ تن گوش رکھا رکھا کرتا تھا۔ امرتسر میں ایسی تقریروں کے سلسلے کے دوران ایک شخص آر۔ ایس۔ نارائن کو اسے سننے کا موقع ملا۔ یہ شخص جو آریہ سماج کے اصولوں پر یقین رکھتا تھا اس روز اس نے جو کچھ سنا تھا اس سے اتنا متاثر ہوا کہ وہ نہ صرف تیرتھ رام کا پیرو بلکہ اس کا سب سے بڑا چیلا بن گیا۔ بعد میں اسے نارائن سوامی کہا جانے لگا اور اس نے سب سے پہلے اپنے گرو کی سوانح عمری لکھی۔

قدرت الٰہی نے مداخلت کی تاکہ تیرتھ رام کی روحانی جستجوؤں کو ایک نئی سمت عطا کی جا سکے۔ اگر بھگتی کا رجحان شدید صورت میں جاری رہتا تو تیرتھ رام شاید اپنا دماغی توازن کھو بیٹھتا۔ اس نازک مرحلے پر دوارکا مٹھ کے جگت گرو شنکر آچاریہ شری مادھو تیرتھ لاہور آئے اور شہر کی سناتن دھرم سبھا کے سیکریٹری کی حیثیت سے تیرتھ رام کا ان سے گہرا رابطہ قائم ہوا۔ عام جلسوں میں بھاشن دینے کے علاوہ شری شنکر آچاریہ نے بڑی محنت سے تیرتھ رام کو وحدت الوجود یا "ادویت" کے اصول سمجھائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بھگوان کرشن کے لیے تیرتھ رام کا تجسس خود آگہی میں تبدیل ہو گیا۔ وہ تنہائی میں زیادہ غور و فکر کرنے لگا۔ متھرا اور برندابن کے دورے پر اُترکھنڈ کے دورے کو فوقیت حاصل ہو گئی۔ انگریزی میں ویدانت پر کتابیں اس کے خاص مطالعے کا موضوع بن گئیں۔ امریکی مصنفین میں اسے ایمرسن، تھورو اور والٹ وھٹ مین عزیز تھے اور اس میں سے ہر مصنّف

ہندوستانی مذہبی تصورات سے بہت متاثر ہوا تھا۔

تیرتھ رام نے اب صدقِ دلی سے "ادویت ویدانت" کا مطالعہ کرنا اور اور اسے عمل میں لانا شروع کر دیا تھا۔ کالج کے کام کے علاوہ وہ اپنا زیادہ تر وقت غور و فکر اور عبادت میں گزارنے لگا۔ اب اس کا نظریہ یہ تھا "اگر دنیا میں کہیں صداقت ہے تو وہ صرف ویدانت میں ہے"

جب کوئی تیرتھ رام سے یہ پوچھتا تھا کہ کیا وقت ہوا ہے تو صبح ہو، دوپہر ہو یا رات اس کا جواب یہی ہوتا تھا "رام کی گھڑی میں ہمیشہ ایک ہی بجا رہتا ہے"

وقت گزرتا گیا اور ویدانت کے مسلک سے تیرتھ رام کی وابستگی زیادہ سے زیادہ نمایاں ہوتی گئی۔ اس نے اعلان کیا "میں نڈر بن چکا ہوں" "مایا اور دنیا کو تیاگ دو اور وہ تمہارے غلام بن جائیں گے" اب وہ ترکِ دنیا کی شاہ راہ پر تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا اور اس کے گھر کے لوگ یہ سمجھنے لگے تھے کہ وہ ان سے دور جا رہا ہے۔ اس سلسلے میں اس کے والد کے اندیشوں کی تصدیق ہو گئی جب اسے ۲۵ راکتوبر کو تیرتھ رام کا یہ خط ملا۔

> "آپ کے بیٹے تیرتھ رام کا جسم اب بک چکا ہے۔ خدا کے ہاتھوں فروخت ہو چکا ہے۔ یہ جسم اب اس کا اپنا نہیں رہا۔ آج دیوالی ہے۔ میں اپنا جسم جوئے میں ہار چکا ہوں۔ مگر خدا کو میں نے جیت لیا ہے۔ میں آپ کو مبارک باد دیتا ہوں۔ اب آپ کو جس چیز کی ضرورت ہو میرے بھگوان سے مانگیے۔ وہ آپ کو وہ چیز دے گا یا مجھے مجبور کرے گا کہ میں وہ چیز آپ کو بھیج دوں۔ گزشتہ انیس بیس دن سے وہ آ رہا ہے اور اس

نے میرے تمام کام، فرائض اور قرضے سنبھال لیے ہیں۔ وہ آپ کے بھی یہ سب کام کیوں نہیں سنبھالے گا"؟

پنڈت ہیرانند یہ خط پڑھ کر دم بخود رہ گیا۔ اس نے یہ خط بھگت دھنا مل کو اپنے اس اظہار خیال کے ساتھ بھیج دیا کہ تیرتھ رام پر اس کے اثر ورسوخ کا یہ نتیجہ نکلا ہے "میں نے آپ کو ایک ذی عقل انسان سمجھتے ہوئے اُسے آپ کو سونپ دیا تھا" بھگت دھنا مل خود بھی اسی طرح متاثر ہوا ہوگا کیونکہ اب وہ کافی حد تک امداد کے لیے تیرتھ رام پر بھروسہ کرتا تھا۔

شری شنکر آچاریہ کی طرح نومبر ۱۸۹۷ء میں لاہور میں سوامی وویکانند کی آمد کے سلسلے میں تیرتھ رام کو انتظامات کا انچارج بنایا گیا سوامی وویکانند کی پارٹی جس میں ان کے امریکی چیلے بھی شامل تھے راجہ دھیان سنگھ کی حویلی میں ٹھیرے۔ اگرچہ اس مکان کا احاطہ بہت بڑا تھا لیکن لیکچر سننے کے لیے جو لوگ وہاں جمع ہوئے ان کو دیکھتے ہوئے جگہ ناکافی ثابت ہوئی۔ اس کے بعد کے لیکچر کے لیے ایک سرکس کے میدان میں جو اس وقت شہر میں تھا انتظامات کیے گئے۔ تیرتھ رام نے پارٹی کو شام کے کھانے کی دعوت دی۔ سوامی وویکانند تیرتھ رام کی لائبریری سے ایک کتاب لے گئے۔

سوامی وویکانند کے لیکچر تیرتھ رام کے لیے بیشتر سامعین کی طرح بہت پُرتاثیر ثابت ہوئے۔ تیرتھ رام خاص طور سے ویدانت پر ان کے لیکچر کی فصاحت و بلاغت سے مسحور ہوا اور یہ بات غیر اغلب نہیں ہے کہ وہ بھی وویکانند کی طرح ایک سنیاسی بننے اور لوگوں میں عملی ویدانت کا پرچار کرنے کی آرزو کرنے لگا۔ تیرتھ رام کو ادویت ویدانت کی مثال پیش کرنے والا اور اس کی مفصل تفسیر کرنے والا مل گیا تھا اور وہ خود بھی ایسا ہی بننا چاہتا تھا"

[۱] دونوں سنیاسیوں کا موازنہ کرتے ہوئے پورن سنگھ سوامی وویکا نند کی عظیم فصاحت و بلاغت، بذلہ سنجی، مزاح اور ذاتی خوبروئی کی تعریف کرتا ہے۔ تیرتھ رام کا اثاثہ یہ تھا۔ پُرجوش خوش مزاجی، شگفتگی، بھگتی کی شرمیلی دوشیزہ جیسی نفاست۔ اس میں تینوں کا امتزاج ملتا تھا اور اس کے باعث وہ اکثر خاموش وجد کی کیفیت میں رہتا تھا۔

عرفان و خود آگہی میں تیرتھ رام کے بڑھتے ہوئے انہماک کا ایک اہم نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ اب اس نے دھنا مل کو خط لکھنے کم کر دیے۔ جب بھگت یہ شکایت کرتا کہ اسے ایک طویل عرصے سے اس کا کوئی خط نہیں ملا تو تیرتھ رام اپنی غلطی کا اعتراف کر لیتا اور کہتا "جب آپ مجھ میں جذب ہو کر ایک ہو گئے ہیں تو میں خط کسے لکھوں؟ تیرتھ رام اب سب سے اور خدا سے مل کر ایک ہو گیا ہے۔ میں اپنے آپ کچھ نہیں کرتا لیکن ہر کام مناسب وقت پر ہوتا رہتا ہے۔ اگر "بادشاہ" کا کام اس کی کوشش کے بغیر ہو جاتا ہے تو وہ ایک مزدور کی طرح کیوں محنت کرے؟ مجھے بخار ہو گیا تھا۔ اب تو بخار بھی مجھے مسرت بخشتا ہے۔"

فروری ۱۸۹۸ء میں ایک سبھا قائم کی گئی جسے اس نے "ادویت امرت ورشنی سبھا" کا نام دیا اور اس کا مقصد یہ تھا کہ ویدانت کے مسلک کا پرچار کیا جائے۔ یہ سبھا زیادہ تر سادھوؤں پر مشتمل تھی اور جمعرات کو اس کے مکان میں نشست ہوتی تھی اور جہاں صرف ویدانت ہی موضوعِ بحث ہوتا تھا۔ چند مہینوں کے بعد تیرتھ رام نے اس سبھا کی نشستوں میں تقریر

---

[۱] تیرتھ رام کی کہانی صفحہ ۸۹۔

کرنا چھوڑ دیا اور وہ اپنی موجودگی سے ہی ان نشستوں کی رہنمائی کیا کرتا۔ اس وقت اس نے غور و فکر کی ایسی قوت حاصل کر لی تھی کہ رخنہ اندازیوں کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ اس کے مکان کے باہر ہولی کا شور وغل تھا اس نے دھنامل کو لکھا کہ اس ہنگامے سے وہ کوئی خلل محسوس نہیں کرتا اور نہ اس کے دل میں کوئی ہلچل پیدا ہوتی ہے۔ غور و فکر اور خود ضبطی کی ان قوتوں نے کالج میں اور اس کی روحانی جستجو میں باقاعدگی کے ساتھ کام کرنے میں اسے مدد دی۔ اس سال اس کی کلاسوں کے امتحان کے نتائج بہت اچھے رہے۔ اس کے کالج میں نہ صرف سب سے زیادہ طالب علم پاس ہوئے بلکہ دو طلبا نے یونیورسٹی میں اول اور تیسرا درجہ حاصل کیا۔

۱۸۹۸ء میں بیساکھی کے دن تیرتھ رام ضلع جہلم کی چکوال تحصیل کے کٹاس راج تیرتھ استھان پر گیا۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں یکش نے یدھشٹر سے بہت سے سوالات کیے تھے جب کہ پانڈو جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس دورے سے تیرتھ رام مایوس ہوا چونکہ واپس آ کر اس نے لکھا کہ حقیقی مسرت گوشۂ تنہائی میں ملتی ہے۔ اس کا ایک اور مشاہدہ یہ تھا کہ آنکھ کو جو جگہ بہت نزدیک نظر آتی ہے وہ حقیقی معنوں میں قدموں سے بہت دور ہوتی ہے۔ شاید وہ یہ کہنا چاہتا تھا کہ آتما کے راستے پر چلنا آسان نظر آ سکتا ہے لیکن حقیقی معنوں میں یہ ایک دشوار سفر ہے۔

اُس سال موسمِ گرما کی چھٹیوں میں تیرتھ رام ہردوار، رشی کیش اور اس علاقے کے دیگر مقدس مقامات پر گیا۔ اب گو کہ مناظر دیکھنے کی دلکشی

اس کے لیے کم ہو گئی تھی لیکن گنگا میں نہانے سے بظاہر اس کی خاص تسکین ہوتی تھی۔ جب وہ دریا میں غوطہ لگاتا تھا تو زمان و مکاں کو بھول جاتا تھا۔ رشی کیش میں اپنے قیام کے دوران اس نے اپنا سارا روپیہ سادھوؤں میں بانٹ دیا اور اس کے پاس ایک پیسہ نہ رہا۔ وہ رشی کیش سے چھ میل دور تپوبن میں گیا۔ اس کے تن پر نہ لباس تھا نہ جیب میں پھوٹی کوڑی تھی۔ اس نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ وہاں آتم درشن کرے گا یا اپنی زندگی کا خاتمہ کر دیگا۔ اس نے جس بات کی آرزو کی تھی وہ پوری نہ ہوئی لہٰذا اس نے گنگا میں چھلانگ لگا دی جس میں باڑھ آئی ہوئی تھی۔ کوئی طاقت اسے ایک چٹان پر لے گئی اور اس پر بیٹھے ہوئے اسے آتم درشن ہوئے جس کی وہ آرزو کر رہا تھا۔ اس کی آرزو کی اس تکمیل نے اس پر دیر تک وجد طاری کیے رکھا۔

سوامی رام تیرتھ نے پہاڑوں کے اپنے دورے کے دوران حاصل ہونے والے تجربات کا اپنی اردو کی تخلیق "جلوۂ کہسار" میں مفصل ذکر کیا ہے جو اس کی کلیات میں شامل ہے۔

یہ تحریر نثر و نظم پر مشتمل ہے۔ اس نے فطرت کی منظر کشی اور خاص طور پر پہاڑوں اور دریاؤں سے متعلق اپنے جذبات و محسوسات کا اظہار کرنے کے لیے اردو شاعری کا سہارا لیا ہے۔

وہ انسانی آبادی سے بہت دور ہے اور ایک ایسی جگہ پر ہے جہاں انسان کا سایہ تک موجود نہیں ہے لیکن پھر بھی تیرتھ رام تنہا نہیں ہے۔ وہ کہتا ہے مجھے بارش اور ہوا کی رفاقت حاصل ہے اور میں جنگلی جانوروں کی چیخ پکار سن رہا ہوں۔ میرے پاس کوئی پیسہ نہیں ہے۔" جب رام کے پاس روپے آتے ہیں تو وہ فوراً انہیں ختم کر دیتا ہے اور انہیں آزاد کر دیتا ہے۔"

تیرتھ رام یہ بھی کہتا ہے کہ جب وہ شدید بیمار ہوتا ہے تو پریشان نہیں ہوتا۔ بہت سے امراض اس پر اپنی طاقت آزماتے ہیں اور معدوم ہو جاتے ہیں۔

جب وہ مسلّمہ ویدانتی بن گیا تو بیرونی دنیا سے اس کا تعلق کم سے کم تر ہوتا چلا گیا۔ تیرتھ رام جب تنہا ہوتا تھا بہت قانع اور مطمئن ہوتا تھا۔ وہ یہ بھی سمجھتا تھا کہ جو وقت ویدانت پر بحث اور غور و فکر میں گزرتا ہے وہی وقت اچھا گزرتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کالج میں جو چھ گھنٹے گزارتا تھا اسے وہ پریشان کرنے لگے۔ جلد ہی قدرتِ الٰہی نے اسے وہ موقع عطا کر دیا جس کا وہ طلب گار تھا۔ وہ چونکہ بہت ہی ذہین اور قابل استاد تھا اس لیے اس کی کلاسوں میں زیادہ سے زیادہ طلبا آتے تھے۔ مذہب کے متعلق اس کے عینی مشاہدات جن کو وہ انگریزی، اردو اور پنجابی کے شعرا (بلّھے شاہ) کی تخلیقات کے حوالے دے کر بتایا کرتا تھا اس کے لیکچروں کو بہت دلچسپ بنا دیتے تھے۔ اس کا ایک ضمنی نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ اب بہت کم طلبا عیسائی مذہب قبول کرتے تھے۔ ان کو اپنے ہی مذہب میں بہت سے محاسن نظر آنے لگے۔ مشن کے بہت سے لوگوں کو یہ واقعہ ہرگز پسند نہیں آسکتا تھا۔ لہٰذا یہ بات حیرت انگیز نہیں ہے کہ انھوں نے پیش قدمی کی اور تیرتھ رام کو سرکاری طور پر یہ بتایا گیا کہ وہ کہیں اور ملازمت ڈھونڈلے چوں کہ اس کی جگہ کے لیے امریکہ سے ایک اور ٹیچر آرہا ہے۔ تیرتھ رام نے جنوری ۱۸۹۹ء میں استعفیٰ دے دیا لیکن کالج کے حکام کی یہ درخواست منظور کر لی گئی کہ وہ اپریل میں یونیورسٹی کے امتحان تک چوتھے سال کی کلاس لیتا رہے گا۔

حسنِ اتفاق سے اورینٹل کالج میں ایک پارٹ ٹائم لیکچرار کی اسامی خالی تھی۔ تیرتھ رام کو وہ جگہ دیدی گئی۔ اسے دن میں دو گھنٹے کے لیے کام کرنا

ہوتا تھا اور ماہوار تنخواہ ۷۵ روپے تھی۔ اس طرح جو وقت بچتا اسے وہ اب غور وفکر اور مذہبی تجسس میں صرف کرنے لگا۔ آمدنی میں کمی کے باعث تیرتھ رام بالکل پریشان نہ ہوا چونکہ وہ کچھ نہ ہونے پر بھی گزربسر کر سکتا تھا۔ وہ صرف لازمی ضروریات پر خرچ کرتا تھا باقی ضروریات کو نظرانداز کر دیتا تھا اور بقایا رقم اپنے گھر کے لوگوں کو بھیج دیتا تھا لیکن اب تیرتھ رام کا خاندان آٹھ افراد پر مشتمل تھا جن میں اس کے چند قریبی رشتے دار شامل تھے۔

۲۵ رفروری ۱۸۹۹ء کو تیرتھ رام کی بیوی شو دیوی کے یہاں مرالی والا میں دوسرا بچہ پیدا ہوا۔ وہ لڑکا تھا اور اس کا نام برہما نند رکھا گیا۔ اس واقعے کے بارے میں تیرتھ رام کا جو ردعمل تھا اسے دھنا مل کے نام خط میں اس کی اس رائے سے سمجھا جا سکتا ہے "سمندر پھیلتا نہیں اگر کوئی دریا اس میں آگرتا ہے اور سمندر سکڑتا نہیں اگر اس میں کوئی دریا نہیں گرتا۔ جہاں سورج چمک رہا ہے وہاں اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ چراغ روشن کیا جاتا ہے کہ نہیں ــــ؟"

تیرتھ رام نے موسمِ گرما کی چھٹیاں کشمیر میں گزاریں۔ سری نگر میں مختصر سے قیام کے بعد وہ امرناتھ کی مقدس گپھا دیکھنے گیا۔ وہاں تک جانے کے راستے کا قابل ذکر پہلو یہ تھا کہ اس نے اس برفیلے خطے میں صرف ایک دھوتی پہن رکھی تھی اور ایک چادر اوڑھ رکھی تھی۔ حسبِ معمول اس نے بعد میں اس سفر کا مفصل حال لکھا اور اس سفر کے دوران جو مشاہدہ کیا اسے قلمبند کر دیا۔

چوتھا باب

پہاڑوں کی جانب روانگی اور سنیاس

کشمیر سے واپس آنے پر پاکیزگی، قناعت اور مذہبی جوش و خروش کے لیے تیرتھ رام کی شہرت لاہور میں مزید پھیل گئی اور بہت سے لوگ ان "سَت سنگوں"[1] میں شرکت کرنے لگے جن کا اہتمام وہ کیا کرتا تھا۔ نارائن نے جو ان دنوں شہر میں تھا اپنے ایک معزز دوست سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ اس عظیم انسان سے ملنا چاہتا ہے۔ اس کا دوست بحث مباحثے کے لیے نارائن کے اشتیاق سے چوں کہ واقف تھا اس لیے اس نے اس مشورے کے سلسلے میں کچھ پس و پیش کی لیکن وہ مان گیا جب اسے یہ معلوم ہوا کہ تیرتھ رام کے ایک لیکچر کے دوران جو اس نے امرت سر میں دیا تھا نارائن پر تیرتھ رام کا جادو چل گیا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے یہ شرط عاید کر دی کہ تیرتھ رام کی موجودگی میں نارائن چپکا بیٹھا رہے گا اور

---

[1] مذہبی جلسے۔

بحث نہیں کرے گا۔ بعد میں جو کچھ ہوا وہ بہت کافی تھا چونکہ نارائن نے یہ محسوس کیا کہ تیرتھ رام کی ہمدمی میں بیٹھنے سے ہی وہ بہت گہرائی کے ساتھ متاثر ہوا تھا۔ وہ روز وہاں جانے لگا اور تیرتھ رام نے اُسے اُپنشدوں اور ویدانت کی کتابوں سے روشناس کرایا اور ان کے حقیر سے حقیر شکوک دور کرنے میں مدد دی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نارائن کو اپنی ذات کا گہرا علم ہوا۔ اس عمل کے دوران اس نے اپنے آپ کو تیرتھ رام اور اس کے آدرش کے لیے وقف کر دیا جس کی وہ علمبرداری کرتا تھا۔

۱۸۹۹ء کے آخر میں تیرتھ رام سخت بیمار ہوگیا۔ مسلسل بخار اور پیٹ میں درد نے اسے صاحبِ فراش بنا دیا۔ ایک رات درد اتنی شدت سے اٹھا کہ اس پر بے ہوشی کا ایک طویل دورہ پڑا اور معاملہ یہاں تک جا پہنچا کہ جو شخص اس کی دیکھ بھال کر رہا تھا اسے یہ شک ہوا کہ مریض ابھی زندہ بھی ہے یا نہیں لیکن ہوا یہ کہ جب اسے ہوش آیا تو نہ بخار تھا نہ درد۔ تیرتھ رام کو بیماری سے شفا نصیب ہو گئی تھی۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اس کی زندگی چونکہ بحال کر دی گئی ہے لہٰذا بھگوان یہ چاہتا تھا کہ وہ خدا کے تصورات کا پرچار کرنے کے لیے اپنے ہم وطنوں کی خدمت کرے۔ اگر وہ اپنے خیالات کا اظہار نہیں کرے گا تو وہ پھر بیمار پڑ جائے گا اور بیماری اسے موت سے ہم کنار کر دے گی۔ لہٰذا ایک پندرہ روزہ رسالہ شائع کرنے کی تجاویز مرتب کی گئیں۔ رام نے اردو فارسی کے حروفِ تہجی کا پہلا حرف "الف" اس کا نام رکھا۔ سرورق پر "الف" کا حرف (اپنی علامات کی ترجمانی کرتے ہوئے) بیچ میں ہوتا تھا۔ اوپر وید کا ایک منتر لکھا رہتا تھا اور نیچے

فارسی کی ایک رباعی ہوتی تھی۔ اس رسالے کا پہلا نمبر "آنند" سے متعلق تھا۔ مانگ زیادہ ہونے کے باعث اس رسالے کے پہلے دو شمارے دوبارہ شائع ہوئے۔ نارائن رسالے اور پریس کی دیکھ بھال کرتا تھا۔

رام کے جذبات بعض اوقات اسے بہت مضطرب اور بے قرار کر دیتے تھے۔ مثال کے طور پر ایک دفعہ اس نے سمندر کے کنارے جانے کی شدید خواہش محسوس کی اور فوراً ہی ایک منصوبے پر عمل کیا گیا۔ ایک شام وہ سامان اور روپے کے بغیر لاہور سے چل پڑا۔ اسے کسی قسم کی پریشانی نہ ہوئی چوں کہ وہ خدا پر کامل اعتقاد رکھتا تھا۔ اس کا یہ یقین صحیح ثابت ہوا۔ وہ اشخاص جو اسے جانتے نہیں تھے اسے ایک معزز مہمان کی حیثیت سے اپنے یہاں لے گئے۔ راستے میں سکھّر اور متعدد شہروں کا دورہ کرتے ہوئے تیرتھ رام کراچی پہنچا اور اس نے پہلی بار سمندر دیکھا۔ وہ سمندر کے منظر سے بہت متاثر ہوا۔

تیرتھ رام جلد ہی یہ سوچنے لگا کہ اسے ملازمت ترک کر دینی چاہیے۔ تاکہ وہ مکمل طور پر زیرِ بار نہ رہے۔ نارائن سوامی کی کتاب میں تیرتھ رام اور ایک دوست کے درمیان طویل گفتگو مکمل طور پر پیش کی گئی ہے جس میں اس تصور کے مختلف پہلوؤں پر بحث کی گئی تھی۔ اس شخص نے رام سے پوچھا کہ ملازمت نہ ہونے کی صورت میں وہ اپنے خاندان کی دیکھ بھال کیسے کرے گا۔ کیا وہ ایک گرہستی ہوتے ہوئے اپنی ذمہ داریوں کو نظر انداز کر دے گا؟

رام نے اس سوال کا جواب یہ دیا کہ نہ وہ نوکر ہے نہ مالک۔ دوسروں کی نوکری کرنا غلامی کے مترادف ہے۔ میں خود اپنا گزارہ ہوں اور کسی دوسری بات پر انحصار نہیں رکھتا۔" رام نے ایک اور نکتہ بھی بیان کیا۔ "میں تم سے

یہ نہیں کہتا کہ تم کھاؤ اور کپڑے پہنو۔ روزی کماؤ یا کوئی اور کام کرو لیکن میں یہ ضرور کہتا ہوں کہ حقیقی اور سچا کام یہ ہے کہ اپنے آپ کو پہچانو اور پھر اس کے بعد دوسرا کام خود بخود ہوتا رہے گا۔"

وقت گزرنے پر اور خود آگہی میں مزید ترقی کرنے پر تیرتھ رام کو اس قسم کی زندگی سے ہچکچاہٹ محسوس ہوئی جو وہ بسر کر رہا تھا۔ وہ بہت سی پابندیوں کے تابع تھا مثلاً روزگار، روزی، خاندان اور دست نگر افراد کی دیکھ بھال وغیرہ۔ اس نے اپنے آپ سے سوال کیا کہ وہ اپنے آپ کو ان حدود میں کیوں پابند رکھے؟ اس کے ویدانت نے اسے یہ سکھایا تھا کہ وہ کائنات کی روح ہے اور وہ زندگی کے ڈرامے کا اداکار نہیں بلکہ ہدایت کار ہے۔ لہٰذا اس نے نازک فیصلہ کیا کہ اس کے لیے ترکِ دنیا کا وقت آگیا تھا۔ اس نے اورینٹیل کالج کی ملازمت ترک کر دی اور طے کیا کہ وہ اترکھنڈ کے جنگلوں میں جا بسے گا۔ "تلاش و دریافت" کے اس نئے سفر میں جن لوگوں کو اس کے ساتھ جانا تھا ان میں اس کی بیوی، اس کے بچے اور متعدد اشخاص شامل تھے جن میں نارائن بھی تھا۔ ان سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ وہ بھی اس کی طرح سنیاسی بن جائیں گے۔

لاہور سے اس کی روانگی کا منظر بہت ہی اثر انگیز تھا۔ جس روز اسے ٹرین سے لاہور سے جانا تھا اس روز اس کے مکان کے باہر لوگوں کا ہجوم اس کا منتظر رہا۔ جب رام نمودار ہوا تو آسمان "جے" کے نعروں سے گونج اٹھا۔ ریلوے اسٹیشن تک ایک پورا جلوس اس کے ساتھ گیا۔ بہت سے لوگ بھجن گا رہے تھے اور چند لوگ رام کی روانگی پر رو رہے تھے۔

اس کے طلبار، دوستوں اور پیرووں کے لیے اداس ہونا قدرتی تھا۔ بہرکیف رام نے حسبِ معمول اپنی متانت برقرار رکھی۔ لوگوں کا بھاری ہجوم ریلوے اسٹیشن پر جمع ہو چکا تھا۔ پلیٹ فارم سے ٹرین کے نکلنے تک لوگ رام کی "جے" کے نعرے لگاتے رہے۔

گوسائیں برج لال نے چند لوگوں کی جانب سے اڑائی ہوئی اس جھوٹی کہانی کے خلاف احتجاج کیا کہ رام اور اس کی بیوی نے اپنی منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد لوگوں میں بانٹ دی تھی اور روانگی سے پہلے انہوں نے اپنا سامان گلی میں پھینک کر رات بسر کی تھی۔ کہانی کے مطابق اس کے بعد رام نے اپنے بیٹوں کو الگ کر دیا اور اپنی بیوی کو یہ ہدایت کی کہ اگر وہ اس کے ساتھ اتر کھنڈ جانے کی اہل بننا چاہتی ہے تو اسے اپنا تمام سازوسامان چھوڑنا پڑے گا۔ برج لال کا کہنا ہے کہ یہ سب باتیں سراسر غلط ہیں۔ اگر رام کو اپنی جائیداد دے دینی تھی تو وہ ایسا دن کے وقت کر سکتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ تیرتھ رام نے اپنی لائبریری اپنے ایک دوست کے حوالے کر دی کہ وہ لوگوں کے فائدے کے لیے اسے برقرار رکھے۔ برج لال یہ الزام لگاتا ہے کہ اس سلسلے میں رام کی خواہشات پوری نہ کی گئیں اور کتابیں اونے پونے بیچ دی گئیں۔ جہاں تک دیگر اشیار کا تعلق ہے وہ مرالی والا لے جائی گئیں جہاں وہ جون ۱۹۰۷ء میں رام کی بیوی کی وفات تک رہیں۔ اس کے بعد کل چیزیں تیرتھ رام کا بڑا بیٹا مدن موہن لے گیا۔ باقی اشیار رام کے والد پنڈت ہیرانند کے پاس رہیں۔

ہردوار پہنچ کر پارٹی پہاڑوں کی جانب جانے سے پہلے چند روز کے لیے وہاں رکی رہی۔ نارائن کو اس گروپ کا منتظم بنا دیا گیا اور ان لوگوں

کے پاس جو نقدی تھی وہ اس کے حوالے کر دی گئی تاکہ سب کی رقم ملا کر گروپ کے اخراجات پورے کیے جائیں۔ اس کے بعد پارٹی گنگوتری کی طرف چل پڑی جو گنگا کا سرچشمہ ہے لیکن راستے میں وہ پارٹی سادھوؤں کے کسی سخی کی جانب سے دریا کے کنارے ٹیہری میں تعمیر کیے گئے ایک مکان میں چند روز رُکی رہی۔

جب پارٹی گنگوتری کے کنارے پر واقع اپنے ہیڈ کوارٹر میں پہنچی تو رام نے نارائن کو یہ ہدایت کی کہ اس کے پاس جتنا روپیہ ہے اسے گنگا میں پھینک دے۔ "آؤ — ہم خدا کی رضا کے آگے سر جھکا دیں اور جس طرح وہ چاہتا ہے اسی طرح رہیں۔" اس نے کہا اور مزید یہ بات کہی کہ یہ تمام سازوسامان گنگا کی طرف سے تحفہ ہے اور مناسب یہی ہے کہ اسے گنگا کو لوٹا دیا جائے۔ پارٹی کے ہر رکن کو ایک ایک گوشہ دیا گیا جہاں مرد عورت عبادت کرتے تھے۔ وہ اپنے تمام تفکرات کو ترک کر سکتے تھے اور صرف خدا پر بھروسہ کر سکتے تھے۔ رام نے اعلان کیا کہ اگر خدا یہ چاہتا ہے کہ وہ زندہ رہیں تو وہ انہیں خوراک دے گا ورنہ وہ موت سے ہم کنار ہو جائیں گے اور وہ اس زندگی سے بہتر رہیں گے جس کا کوئی اعتقاد نہ ہو۔

خدا پر اس کے یقین کو ثابت کرنے کے لیے ابھی چند گھنٹے بھی نہیں گزرے تھے کہ رشی کیش کے کالی کملی کیشتر کے بابا رام ناتھ وہاں پہنچ گئے۔ وہ گنگوتری جاتے ہوئے اپنے "آشرموں" کے معائنے کے لیے نکلے تھے کہ ٹیہری میں انھوں نے رام اور اس کی پارٹی کا قصہ سنا۔ ان کے ساتھ ایک دوکاندار تھا جس کو انھوں نے ہدایت کی کہ وہ ہر مہینے دس روپے کا راشن اس گروپ کو سپلائی کرتا رہے۔ اس سامان کو پہنچنے میں دیر نہ لگی۔ اگرچہ

نارائن نے خیرات لینے میں کچھ ہچکچاہٹ محسوس کی مگر مجموعی طور پر خدا پر پارٹی کا اعتقاد اس واقعے کے باعث زیادہ مضبوط ہوگیا۔ چند روز میں رام کو بے حد روحانی مسرت محسوس ہوئی جس کا اظہار اردو کی نظم معرا میں کیا گیا جو رام نے کہی تھیں۔ بہت سی نظموں کا مرکزی خیال یہ تھا کہ تیرتھ رام اب موت سے نہیں ڈرتا اور اس کے لیے یہ بات بے معنی ہو کر رہ گئی ہے کہ اس کا جسم تکلیف اور درد کے چنگل میں ہے یا مسرت کی گرفت میں۔

رام نے جس طرح کبھی اچانک یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ کراچی کا سمندر دیکھے گا۔ اسی طرح گنگوتری کے کنارے رہتے ہوئے وہ ایک رات اپنے ساتھیوں کو سویا ہوا چھوڑ کر اتر کاشی کے ویران راستے پر چل کھڑا ہوا جو تقریباً پچاس میل دور تھی۔ اس نے اس خطرناک مگر ولولہ انگیز چڑھائی کا نمایاں طور پر ذکر کیا ہے۔ لنگوٹی کے سوا اس کے تن پر کوئی اور کپڑا نہیں تھا۔ تقریباً دس میل کے فاصلے تک پُر پیچ راستے کے ایک طرف جس پر وہ چل رہا تھا اونچے اونچے پہاڑ تھے دوسری طرف گنگا تھی۔ صبح کے دو بجے تھے۔ آسمان پر کالے بادل چھائے ہوئے تھے اور ان میں بجلی چمک رہی تھی۔ طوفانی موسم کے باعث راستے پر درخت اور چٹانیں گر رہی تھیں۔ رام کے پاس نہ چھتری تھی نہ پہاڑ پر چڑھنے والی چھڑی تھی۔ وہ ننگے پاؤں چل رہا تھا۔ ایک جگہ جب اس نے اپنا راستہ مسدود پایا تو اس کے لیے ڈھلوان پر رینگنے کے سوا کوئی اور چارہ نہ رہا۔ بکریاں بھی شاید اس ڈھلان کو پار نہ کر سکتیں۔ آگے بڑھنا دشوار اور پُر خطر تھا لیکن رام نے پروا نہ کی چونکہ وہ خوف کے احساس سے بے نیاز ہو چکا تھا۔ اس کے برعکس پہاڑ کی چڑھائی سے اسے مسرت محسوس ہو رہی تھی اور جب سورج نکلا تو ارد گرد

برف دمک اٹھی۔ وہ چند روز کے لیے اتر کاشی میں رہا اور پھر واپس گنگوتری کے کنارے پر چلا آیا۔

نارائن سوامی کے بیان کے مطابق تیرتھ رام کی گم شدگی اور سادہ زندگی نے جوان سے متوقع کی جارہی تھی، تیرتھ رام کی بیوی کی صحت خراب کردی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسے اور اس کے چھوٹے بیٹے برہمانند کو مرالی والا واپس بھیج دیا گیا اور اس کے بڑے بیٹے مدن موہن کو ٹیہری کے ریاستی اسکول میں داخل کرادیا گیا لیکن گوسائیں برج لال کی یہ رائے ہے کہ اس کی چچی کی صحت خراب نہیں تھی اور رام نے اس کی واپسی کا انتظام کیا تھا چوں کہ وہ پہلے یہ سوچ چکا تھا کہ وہ سنیاس دھارن کرے گا۔ اسے ڈر تھا کہ اس کی بیوی اس کے اس مقصد کی تکمیل میں حائل نہ ہو جائے۔ خرابیٔ صحت ایک ہندو عورت کو اپنے شوہر سے جدا ہونے پر راضی نہیں کر سکتی تھی۔

بہرکیف اسے مرالی والا میں پہنچے ہوئے ابھی بمشکل دو مہینے گزرے ہوں گے کہ تیرتھ رام نے رسمی طور پر سنیاس دھارن کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ایک نائی کو بلوایا گیا کہ وہ اس کا سر مونڈ دے۔ نارائن اور ایک اور شخص نے اس کے کپڑے گیروے رنگ دیے۔ تیرتھ رام نہانے کے لیے گنگا میں اترا۔ اس نے اپنا جنیو دریا کے حوالے کردیا جسے اس نے اب تک پہن رکھا تھا۔ دریا میں سے باہر آنے پر اس نے گیروے کپڑے پہنے اور چند منٹ تک ریاضت میں مصروف رہا۔ سادھوؤں کو کھانا کھلایا گیا جو اتر کاشی سے اس تقریب میں شمولیت کے لیے آئے ہوئے تھے۔ اس نے اپنا اصلی نام تیرتھ رام ترک کر دیا اور اب وہ رام تیرتھ بن گیا۔ رام نے اس تبدیلی کے دو اسباب بیان کیے ہیں۔ پہلا تو یہ کہ اس نے اپنی زندگی کا

دھارا پیچھے کی طرف موڑ دیا تھا اور وہ ظاہری دنیا سے باطنی دنیا کی طرف چل پڑا تھا۔ دوسرا یہ کہ وہ دوار کا کے شنکر آچاریہ شری مادھو تیرتھ کا چیلا تھا جو سنیاسیوں کے "تیرتھ مسلک" سے تعلق رکھتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ تیرتھ رام کے بیٹے مدن موہن نے جب پہلی بار اپنے والد کو گیروے کپڑوں میں دیکھا تو وہ زار و قطار رونے لگا۔ رام تیرتھ نے اب ایک طے شدہ دستور العمل اپنایا اور وہ نارائن اور دوسرے لوگوں سے صرف مقررہ اوقات پر ملتا۔ چند ہفتوں کے بعد نارائن کو لاہور بھیج دیا کہ وہ رسالہ "الف" کا نیا نمبر ان مضامین اور دیگر نگارشات کے ساتھ نکالے جن کو رام نے چھ مہینے کے دوران تیار کیا تھا۔ اب اس علاقے میں سوامی رام تیرتھ کی شہرت دور دور تک پھیل چکی تھی اور عموماً یاتری اور خصوصاً سادھوان کے درشن کے لیے آیا کرتے تھے۔ ایک دن ٹیہری کے حکمران کا خاندان یا ایک فرد سوامی رام تیرتھ کے پاس یہ درخواست لے کر آیا کہ وہ اسے خدا کا دیدار کرادیں۔ یہ ایک بہت بڑا حکم تھا۔ لیکن سوامی رام تیرتھ اپنی ذہانت، ذکاوت اور صبر و تحمل کو چیلنج کرنے والی ایسی درخواستوں کے لیے ہمیشہ تیار رہتے تھے۔

انھوں نے اس درخواست کے جواب میں آنے والے مہمان سے پوچھا کہ وہ کون تھا اور کیا تھا؟ —— "میں فلاں ہوں اور فلاں کا بیٹا ہوں۔" رام نے کہا کہ یہ اطلاع درست نہیں تھی۔ آنے والے مہمان نے صرف اپنے جسم کی شناخت مہیا کی تھی۔ "یہ جسم آپ کا ہے لیکن آپ جسم نہیں ہیں۔" اس پر راج کمار کو یہ کہنا پڑا کہ وہ جسم نہیں تھا دماغ تھا۔ سوامی رام نے اشارہ کیا کہ درحقیقت وہ نوجوان جسم و دماغ سے بالاتر تھا۔

سوامی رام نے اس سے دوسرا سوال یہ کیا "آج آپ نے کیا کچھ کیا ہے؟" جب جواب میں کھانے، لکھنے وغیرہ جیسے اعمال کا ذکر کیا گیا تو سوامی نے کہا کہ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی سرگرمیاں تھیں۔ چند ارادی اور رضاکارانہ تھیں اور چند لاشعوری اور غیر رضاکارانہ تھیں مثلاً سانس لینا، پروان چڑھنا۔ سوامی رام نے آخر کار وہ نکات مہمان کے ذہن نشیں کرا دیے "میں ایک لامحدود طاقت ہوں جو نہ سوتی ہے نہ تبدیل ہوتی ہے جب کہ دل اور دماغ تبدیل ہو جاتے ہیں۔ میں ہمیشہ ایک جیسا رہتا ہوں۔ جو طاقت درخت بناتی ہے، جانوروں کو پروان چڑھاتی، دریا بہاتی ہے اور تاروں کو حرکت عطا کرتی ہے وہی ہے جو بال اگاتی ہے اور میرے اندر خوف دوڑاتی ہے۔"

مہمانوں کی تعداد میں چونکہ اضافہ ہوگیا اور اس کے نتیجہ کے طور پر تنہائی کم میسر آنے لگی اس لیے رام نے مرلی دھر باغ میں رہنا چھوڑ دیا اور جون ۱۹۰۱ء میں وہ ٹیہری سے چھ میل دور گپھا میں چلے گئے جو گنگا کے کنارے پر واقع تھی۔ انھوں نے اس نقلِ مکانی کے بارے میں کچھ نہ بتایا۔ جب نارائن چند ہفتے بعد لاہور سے واپس آیا تو اس نے سوامی کی نئی اقامت گاہ ڈھونڈنی شروع کر دی۔ جب وہ اس جگہ پہنچا تو سوامی رام تیرتھ دریا کے کنارے گہری نیند سوئے پڑے تھے۔ یہ بے خودی کے بعد کی کیفیت تھی یا وجد کا عالم تھا جس کے دوران انھوں نے چند نظمیں کہی تھیں اور گیت لکھے تھے۔ نارائن نے ان تخلیقات کو محفوظ کر لیا۔

رام نے اگلے چند مہینے غور و فکر میں اور دور افتادہ اور بعض اوقات دشوار گزار پہاڑیوں کی مسافت طے کرنے میں صرف کیے۔ اگست ۱۹۰۱ء

کے وسط میں وہ نارائن اور ایک دوسرے شخص کے ہمراہ جمنوتری کے لیے روانہ ہوئے جو جمنا کا سرچشمہ ہے ۔ یہ مسافت تین ہفتے میں طے ہوئی۔ وہاں پہنچنے پر وہ پندرہ روز تک مندر میں رہے ۔ ان کی اگلی منزل سمیرو پربت تھی۔ اس کے متعلق رام کے تذکرے میں یہ کہا گیا ہے کہ وہ کشمیر سے زیادہ سحر انگیز تھا۔ وہ یہاں قدرت کی فضا میں گھومتے پھرتے رہے ۔ انہوں نے کہا "میں تمام خوب صورتیوں کی آغوش میں ہوں" وہ جنگلی جانوروں سے ڈرتے نہیں تھے ۔ ایک دفعہ انہیں پانچ ریچھ ملے مگر انہوں نے ان کو کوئی گزند نہ پہنچایا ۔ دیگر مواقع پر وہ بھیڑیے اور شیر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر چلے آئے ۔ گنگوتری واپس آتے ہوئے سوامی رام تیرتھ نے ایک بہت ہی دشوار راستہ چنا جس کو طے کرنے میں انسان کو دو یا تین دن کے لیے بڑی احتیاط سے مسلسل برف پر چلنا پڑتا تھا ۔ اس دفعہ رام نے گنگا کے ماقد دریا پر ایک مہینہ گزارا ۔ وہ ایک ایسے مقام پر ٹھہرے جو سبزے سے گھرا ہوا تھا اور جہاں سے دریا کا اچھا خاصہ منظر دیکھا جا سکتا تھا ۔ دریا کے پانی کی لہر تیز اور چوڑی تھی لیکن رام نے اسے کئی بار پار کیا ۔

وہ کیونکہ اکثر کم اور ناموزوں غذا کھاتے تھے اس کی وجہ سے شدید قسم کے فسادِ معدہ مبتلا ہو گئے اور چار دن میں جا کر ٹھیک ہوئے ۔ اب انہوں نے ایک بار پھر سمیرو پربت جانے کا فیصلہ کیا وہ صرف لنگوٹی میں سر اور پیروں میں کوئی چیز پہنے بغیر چل کھڑے ہوئے ۔ ان کے ساتھ پانچ گرانڈیل پہاڑی باشندے تھے جنہوں نے اپنے معمول کے مطابق کپڑے پہن رکھے تھے ۔ چڑھائی بہت مشقت طلب تھی اور راہ کی رکاوٹیں اتنی دشوار اور ناقابلِ عبور تھیں کہ ان کے ساتھی تھک گئے اور راستے میں

ہی گر پڑے۔ اس طرح وہ منزلِ مقصود پر تنہا پہنچے اور انہوں نے یہ دیکھا کہ وہ واقعی بھگوان کا پربت تھا۔ وہ جگہ سحر انگیز حد تک حسین وجمیل تھی۔ اس نڈر کوہ پیما کی اگلی مسافت کیدار ناتھ اور بدری ناتھ تھی۔ وہ موخرالذکر مقام پر دیوالی سے ایک ہفتے پہلے ۳ر نومبر ۱۹۰۱ء کو پہنچے۔ وہ تہوار کے دن تک وہاں رہے اور اسی روز سورج گرہن بھی تھا۔

سردیاں شروع ہو چکی تھیں۔ رام نے سوچا کہ مناسب یہی ہے کہ میدانوں میں واپس چلا جائے۔ اس وقت انہیں متھرا سے دعوت نامہ موصول ہوا کہ وہ مذاہب کی کانفرنس کی صدارت کریں جو وہاں کرسمس کے دوران منعقد ہونے والی تھی۔ اس میٹنگ میں سوامی رام تیرتھ کی شرکت نہ صرف ان کے لیے بلکہ کانفرنس کے لیے عہد آفریں تھی۔ اس وقت اخباروں میں جو خبریں شائع ہوئیں ان سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انھوں نے کانفرنس میں کیا سنسنی خیز حصہ ادا کیا۔ لاہور سے شائع ہونے والے اخبار "فری تھنکر" (آزاد خیال مفکر) نے کہا:-

"ایک خاموش، منکسرالمزاج اور سادہ طبع نوجوان نے جو قدیم اور جدید فلسفے میں اور اس کے ساتھ ساتھ جدید سائنسوں میں کامل مہارت رکھتا تھا، تمام مختلف الخیال سامعین کو ہمہ تن گوش اور دم بخود رکھا۔ وہ اس خمیر کا بنا ہوا ہے جس سے ایماندار اعتقادات والے اشخاص کو بنا ہوا ہونا چاہیئے۔ وہ نیک، دلآویز، ایک بچے کی طرح طور واطوار اور برتاؤ میں معصوم ہوتے ہوئے بھی ریشمی دستانے میں آہنی ہاتھ رکھتا تھا۔ دوسروں کے جذبات کا احتیاط سے لحاظ رکھتے

ہوئے وہ بڑی بے باکی سے اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے۔"

سوامی رام تیرتھ نے کانفرنس میں جو گہرا تاثر چھوڑا، پورن سنگھ بھی اس کا خلاصہ پیش کرتا ہے۔

" ان کی موجودگی کا اثر حیرت انگیز تھا۔ ان کی مسرت دوسروں کو مسرور کرتی تھی اور ان کے خیالات اس سے بھی زیادہ مسرت بخشتے تھے اور سب سے زیادہ ان کا " اوم " کہنا دوسروں کو متاثر کرتا تھا۔ مذہب کے ہر جویا نے اوم گنگنانا شروع کر دیا۔ انھیں دیکھنا ایسے تھا جیسے کوئی زندگی کا نیا آغاز کرے۔ دماغ کا تمام کمینہ پن اور چھوٹا پن معدوم ہو گیا اور آدمی اپنے آپ کو ارفع و اعلیٰ محسوس کرنے لگا۔ اُن کی آنکھوں سے ان لوگوں کی آنکھوں میں جو اُن کی مسرت کے جادو کے تحت آئے زندگی سے متعلق نیا اور ماورائی نظریہ بہنے لگا۔"

مئی کے مہینے میں سوامی رام تیرتھ ٹیہری کے نزدیک واقع پہاڑوں میں گئے۔ راستے میں وہ تھوڑی دیر کے لیے ایک پہاڑی پر واقع پرانے قلعے میں ٹھیرے۔ ایک عجیب اتفاق ہوا۔ اس وقت کے ٹیہری کے مہاراجہ کیرتی شاہ دہرہ دون جاتے ہوئے ادھر سے گزرے۔ مہاراجہ کا دیوان سوامی رام تیرتھ سے یہ درخواست لے کر ملنے آیا کہ وہ مہاراجہ سے ملاقات کریں۔ مہاراجہ نے ان کی آمد پر ان کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ دونوں نے مذہبی مسائل پر بحث کی اور مہاراجہ نے بات چیت کو مفید پا کر رام کو یہ ترغیب دی کہ وہ ان کے یہاں چند روز تک رہیے۔ اس کے بعد وہ دونوں پرتاپ نگر چلے

گئے۔ جو ریاست کی موسمِ گرما کے لیے راجدھانی تھا اور انہوں نے وہاں آکر تبادلۂ خیال کیا۔

جولائی ۱۹۰۲ء کی ایک شام کو مہاراجہ نے رام کو اخبار کی ایک خبر سے آگاہ کیا کہ مذاہب کی کانفرنس جاپان میں ہونے والی تھی۔ وہاں چوں کہ ہندوستان کے مذاہب کی نمائندگی بھی کی جائے گی لہٰذا مہاراجہ نے سوامی رام تیرتھ کو یہ دعوت دی کہ وہ اس کانفرنس میں شامل ہوں اور ہندو دھرم پر تقریر کریں۔ رام نے یہ دعوت قبول کرلی اور ان کے لیے اور نارائن کے لیے ایک جہاز میں کیبن ریزرو کرا دیا گیا جو کلکتے سے روانہ ہونے والا تھا۔ رام کی یہ خواہش تھی کہ نارائن اپنی روحانی ترقی کے مفاد میں اور آدرش کے لیے کام کرنے کی خاطر ساتھ نہ جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تنہا رام ہی دہرہ دون سے ٹرین میں سوار ہوئے جو کلکتے جا رہی تھی۔ نارائن واپس ٹیہری چلا گیا لیکن چند دوستوں خاص طور پر ٹیہری کے مہاراجہ کے احتجاج پر کہ نارائن سمندری سفر کے دوران ایک بہت ہی مفید ساتھی ثابت ہوگا، سوامی رام تیرتھ مان گئے کہ نارائن کو کلکتے میں ان سے آملنا چاہیے۔

نارائن ۱۹ راگست کو یعنی رام کی مقرر کردہ تاریخ سے ایک دن پہلے کلکتے پہنچا لیکن اتفاق سے جہاز کی روانگی کی تاریخ ۲۸ راگست پر ملتوی کردی گئی۔ اس طرح دونوں مسافروں کو سمندری سفر کرنے سے پہلے آرام کرنے کا موقع مل گیا۔

پانچواں باب

جاپان میں پندرہ روز

ٹیہری کے مہاراجہ سے غیر متوقع ملاقات کا نتیجہ یہ ہوا کہ رام کی سرگرمیوں میں ایک نیا موڑ آیا اور اس ماحول میں بنیادی تبدیلی ہوئی جس میں وہ رہ رہے تھے۔ سالوں تک سوامی رام تیرتھ پہاڑوں کی تنہائی کے شیدائی رہے تھے۔ درحقیقت ان کی یہ محبت قدرت کی تمام چیزوں کا احاطہ کیے ہوئے تھی جو انہیں بے پناہ مسرت عطا کرتی تھیں لیکن اب انہوں نے صنعت بندی سے پیدا ہونے والی تہذیب سے دو دو ہاتھ کرنے اور اس کے پروردہ سماج تک ویدانت کا پیغام لے جانے کا فیصلہ کیا۔

ہمیں رام کے سمندری سفر اور جاپان میں ان کے قیام کے بارے میں زیادہ تر معلومات نارائن سوامی سے حاصل ہوتی ہیں جسے دوستانہ تعلق نے سوامی رام تیرتھ کا رفیق بنا دیا تھا۔ جس جہاز میں انہوں نے سفر کیا وہ انہیں ہانگ کانگ لے گیا جہاں وہ ایک سندھی تاجر کے مہمانوں کی حیثیت سے ایک ہفتے تک رہے۔ راستے میں بندرگاہی شہروں کے ہندوستانی باشندوں

نے ان کا پرجوش خیر مقدم کیا۔ پنجاب کے سکھوں نے ہانگ کانگ میں ایک بہترین گوردوارہ تعمیر کیا تھا۔ ان بھگتوں کے جوش و خروش نے رام کو بے حد متاثر کیا اور انہوں نے ان کے سامنے "گرو بھگتی" پر تقریر کی۔ اس کے بعد وہ یوکوہاما اور پھر ناگاساکی میں ٹھیرے۔ دونوں مقامات پر وہ جاپانی مندروں میں گئے اور انہوں نے جاپانی رسم و رواج کا مشاہدہ کیا۔ رام پہلے ہی یہ بات دیکھ چکے تھے کہ جاپانی کس قدر جفاکش، خوش مزاج اور مہذب تھے اور مختلف شہروں میں ان کے قیام نے اس تاثر کی تصدیق کر دی۔

یوکوہاما پہنچ کر رام اور نارائن کو یہ جان کر حیرت ہوئی کہ جاپان "مذاہب کی پارلیمنٹ" منعقد کرنے کا کوئی منصوبہ یا تجویز نہیں رکھتا تھا اور اس سلسلے میں اس بھاؤ کی تردید مسٹر اوکا زور انے کر دی جو اس وقت ہندوستان کے دورے پر تھے۔ دونوں مسافروں نے یہ محسوس کیا کہ ان کو صداقت اس وقت معلوم ہو گی جب وہ ٹوکیو پہنچیں گے۔ جاپان کی راجدھانی میں پہنچ کر وہ پورن سنگھ کے مکان پر گئے جو ان کو دیکھ کر بہت خوش ہوا کیوں کہ انہیں دیکھ کر اسے اپنا وطن یاد آ گیا۔ اس کو یہ یقین تھا کہ ان دو سنیاسیوں کی آمد سے اس کا بھلا ہو گا جب اس سے مذہبی کانفرنس کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ وہ خبر بے بنیاد تھی اور کسی نے مذاق کرنے کے لیے وہ خبر اڑائی تھی۔ اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ہندوستان ایک پریس ٹیلیگرام بھیجا اور لوگوں کی توجہ اس امر کی طرف دلائی کہ وہ خبر غلط تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ اس خبر کی تصحیح کر دی جائے ورنہ یہ اس کے ہم وطنوں کو گمراہ کرتی رہے گی۔

پورن سنگھ نے ہند۔ جاپان کلب میں سوامی رام تیرتھ سے اپنی پہلی

ملاقات کا ذکر کیا ہے جس کا وہ سیکرٹری تھا اور جہاں وہ دونوں سنیاسی مقیم تھے. رام سے اس کے وطن کے بارے میں پوچھا گیا۔ انہوں نے جواب دیا: "دنیا میرا دیس ہے۔" اور پھر آگے چل کر کہا: "بھلائی کرنا میرا مذہب ہے۔" اس دن پورن سنگھ کی مصروفیت یہ تھی کہ اسے بدھ یونیورسٹی میں تقریر کرنی تھی۔ اس نے رام کو بھی دعوت دی کہ وہ وہاں سامعین سے خطاب کرے۔ رام تیرتھ نے یہ دعوت قبول کر لی اور وہ ایک ٹرام میں یونیورسٹی کی عمارت میں پہنچے۔ سوامی رام تیرتھ نے پورن سنگھ کے بعد تقریر کی۔ واپس آتے ہوئے رام نے پورن سنگھ کی تعریف کی کہ اس نے یونیورسٹی جاتے ہوئے راستے میں کسی قسم کی اڑچن کے بغیر خاموش انداز میں اپنی تقریر تیار کر لی تھی۔ اس نے جس دماغی انہماک کا مظاہرہ کیا تھا وہ ویدانت کے پیرو جیسا تھا۔ پورن سنگھ ایسے شخص سے اپنی تعریف سن کر خوش ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اگلے روز پورن سنگھ نے بازار سے ۱۸۹۳ء میں شکاگو میں منعقدہ مذاہب کی پارلیمنٹ کی کارروائی سے متعلق دو جلدوں پر مشتمل ایک پرانی کتاب خریدی اور رام کو پیش کی تو وہ بہت خوش ہوئے اور انہوں نے کہا کہ وہ دیر سے اس کتاب کی خواہش کرتے رہے تھے۔

ٹوکیو کی کانفرنس سے متعلق بات چیت میں جو رام کو جاپان لائی تھی پورن سنگھ نے ازراہِ مذاق ان حالات کا ذکر کیا جو ان کے دورے کے ذمہ دار تھے۔ اس نے کہا کہ اگر جاپان میں مذاہب کی پارلیمنٹ نہیں ہوگی تو وہ خود ایسی پارلیمنٹ منعقد کرے گا۔

اگلے روز پونا کے مسٹر چھاترے کو ٹوکیو میں اپنی سرکس میں اپنے کمالِ فن کا مظاہرہ کرنا تھا۔ سوامی رام تیرتھ اور شہر میں بہت سے ہندوستانی باشندے

سرکس دیکھنے گئے۔ اس شو میں مسٹر تاکاکسو عظیم مستشرق جو ٹوکیو یونیورسٹی میں سنسکرت کے پروفیسر تھے رام سے ملے۔ جاپانی عالم نے مہمان کے بارے میں یہ کہا:" میں برطانیہ میں پروفیسر میکس ملر کے مکان میں اور دیگر مقامات پر بہت سے پنڈتوں اور فلاسفروں سے ملا ہوں لیکن میں نے سوامی رام جیسی کوئی شخصیت نہیں دیکھی جو اپنے فلسفے کی اہم ترین اور زندہ مثال ہے۔ ان میں ویدانت اور بدھ مت کا سنگم ہے۔ ان کا مذہب سچا ہے۔ وہ ایک حقیقی شاعر اور فلاسفر ہیں"۔

شو میں رام اور اس کے ساتھی دوسری قطار میں بیٹھے تھے اور پہلی قطار میں جاپانی خواتین بیٹھی تھیں جنہوں نے اپنا قومی لباس پہن رکھا تھا۔ پورن سنگھ زندہ حسن کی تصویر دیکھ کر بہت مسحور ہوا۔ رام نے جیسے اپنے خیالات کی گونج پیدا کرتے ہوئے فوراً یہ کہا:" گردنوں کی یہ قطاریں یوں دکھائی دیتی ہیں جیسے بہت سی گنگاؤں کی نقرئی لہریں کالی زلف جیسی چٹانوں سے بہہ کر باہر آرہی ہوں"۔

ٹوکیو میں قیام کے دوران پورن سنگھ سوامی کو بیرن نائیو کانڈو کے گھر لے گیا۔ ابھی بیرن سوامی رام تیرتھ سے بات کر ہی رہا تھا کہ وہ اچانک اٹھ کر کھڑا ہوگیا اور بہت جلد اپنی بیوی اور بچوں کو ساتھ لیے ہوئے واپس آگیا۔ اس نے یہ انکشاف کیا کہ وہ گھر کے اندر اس لیے گیا تھا کہ اس کا خاندان بھی اس کی شرف یابی اور مسرت میں شریک ہوسکے۔ رام کو یہ دعوت دی گئی کہ وہ ٹوکیو کالج آف کامرس کے طلبا کے سامنے تقریر کریں۔ ان کی تقریر کا موضوع تھا "کامیابی کا راز" اس تقریر کا پورا متن پورن سنگھ کی کتاب

"رام کی کہانی" (صفحات ۱۲۳ سے ۱۳۰ تک) میں ملتا ہے۔

اگر رام کی نظروں کو جاپان کا نسوانی حسن دلآویز معلوم ہوا تھا تو جاپان کی عورتیں بھی ان کی خوب روئی سے کچھ کم مسحور نہیں ہوئی تھیں۔ پورن سنگھ انہیں بازار لے گیا جہاں رام گھومنے کے لیے ایک چھتری خریدنا چاہتے تھے جسے ایک اسٹول اور چھتری میں تبدیل کیا جا سکتا تھا۔ پورن سنگھ اس امر کا ذکر کرتے ہیں کہ جب وہ بازار میں گھوم رہے تھے تو مختلف اسٹالوں پر کھڑی ہوئی لڑکیاں چاروں طرف سے ان کے پیچھے چلی آئیں۔ انہوں نے سوامی کے لباس کو چھو کر دیکھا اور اشتیاق بھری نظروں سے انہیں دیکھتی رہیں۔

جاپانی ثقافت اور جاپان کے لوگوں نے رام تیرتھ کے ذہن پر گہرا نقش چھوڑا۔ انہوں نے اپنی تقریروں کے دوران یہ اعلان کیا کہ ان کا مذہب وہی تھا جسے مہاتما بدھ کے پیرو جاپان میں لائے تھے لیکن فرق صرف اتنا تھا کہ وہ اس مذہب کی وضاحت سائنس اور فلسفے کے پس منظر میں موجودہ زمانے کی ضروریات کے مطابق کرتے تھے۔ اس کے صلے میں جاپانیوں نے ان سے یوں محبت کی جیسے وہ ان کے ہم وطن ہوں۔ ڈاکٹر مہیش چندر سنہا نے جو ان دنوں ٹوکیو میں طالب علم تھے، یہ اطلاع دی۔

"میں نے جاپانی عورتوں کو یہ کہتے سنا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رام ان کے بے رنگ پھولوں کو خوشبو عطا کر رہا ہے۔ جو آدمی ایسا کر سکتا ہے وہ ضرور فوق الفطرت انسان اور رشی ہوگا۔"

جاپانی اب ہندوستانی طلبا کو اپنے خویش و اقارب سمجھنے لگے اور اس بات نے ایک نوجوان طالب علم کی زندگی کو حیرت انگیز حد تک شیریں بنا دیا۔ اس نے کہا "رام کے میٹھے اور رسیلے اثر کے باعث میں جاپانیوں کے ہاتھوں

بہت سی نوازشات اور احترام سے لطف اندوز ہوا ہوں۔"

جب سوامی رام تیرتھ مغربی ممالک کے لیے روانہ ہوئے تو ایک سرکردہ جاپانی بدھسٹ نے کہا: "میں اب بھی ان کی مسکراہٹوں کو آلوچے کے پھولوں کی طرح ہوا میں اڑتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔"

روانگی سے چند روز پہلے رام نے نارائن سے کہا کہ ویدانت کی وضاحت کرنے کے لیے ان دونوں کا ایک ہی خطے میں جانا مناسب نہیں ہوگا۔ انہوں نے یہ مشورہ دیا کہ وہ امریکہ کا دورہ کریں گے اور نارائن ویدانت کا پیغام برما، لنکا، افریقہ اور یورپ میں لے جائے۔ اس کے مطابق نارائن ہانگ کانگ واپس آگیا اور وہاں سے سنگاپور، آج کے انڈونیشیا، برما اور لنکا جا پہنچا۔ بعد میں اس نے مشرقی اور وسطی افریقہ کا دورہ کیا اور وہاں سے ۱۹۰۳ء کے آخر میں لندن پہنچا۔ وہاں قیام کے دوران اس کی صحت خراب ہوگئی اور وہ واپس ہندوستان چلا آیا۔

دراین اثنا رام جہاز میں مسٹر چھاترے کے ساتھ جاپان سے روانہ ہوئے جس نے وہ جہاز اپنی سرکس کو لے جانے کے لیے کرایہ پر لیا تھا۔ اس سلسلے میں ایک بات قابلِ ذکر ہے کہ جب انہوں نے ویدانت کے پرچار کا آغاز کیا تو رام اور نارائن کے پاس اس دورے کے لیے کوئی پیسہ نہیں تھا۔

چھٹا باب

رام تیرتھ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں

سان فرانسسکو پہنچنے پر سوامی رام تیرتھ نے اپنا تعارف کچھ ایسے انداز میں کرایا کہ وہ امریکیوں کو بہت ہی عجیب معلوم ہوا ہوگا۔ جب جہاز بندرگاہ میں لنگرانداز ہوا اور دوسرے لوگ اس سے اترنے کے لیے تیار ہونے لگے تو ایک امریکی باشندے نے یہ دیکھا کہ رام وجد آفریں مسرت سے عرشۂ جہاز پر لوٹ رہا تھا۔ اپنے تجسس سے مجبور ہو کر اس نے سادھو سے پوچھا "تمہارا سامان کہاں ہے؟" اس سوال کا جواب سوامی نے یوں دیا "میں ہی اپنا سامان ہوں۔" دوسرا سوال یہ تھا "تم اپنا روپیہ کہاں رکھتے ہو؟" سوامی نے جواب دیا "میرے پاس کوئی پیسہ نہیں۔" اب امریکی باشندہ زیادہ دلچسپی لینے لگا۔ اس نے مزید سوال کیا "تو پھر تم گزربسر کیسے کرتے ہو؟" رام نے اسے بتایا کہ وہ ہر کسی سے محبت کر کے زندہ رہتے تھے۔ جب انھیں پیاس لگتی تھی تو پانی پی لیتے تھے۔ بھوک لگتی تھی تو روٹی کھا لیتے تھے۔" کیا امریکہ

میں تمہارا کوئی دوست بھی ہے ؟" ہاں ایک ہے"۔ اور یہ کہتے ہوئے سوامی رام تیرتھ نے سوال کرنے والے کے بازو چھو لیے ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سوال کرنے والا سوامی کا مدّاح بن گیا اور اس نے بعد میں اعتراف کیا کہ رام کی موجودگی ہی انسان کو نئی زندگی عطا کر دیتی تھی ۔

رام اور چھاترے اب ایک دوسرے سے جدا ہوئے اور سوامی اپنے ہی سہارے گزر بسر کرنے لگے اور بہت جلد ان کو اس ملک کا معزز مہمان تسلیم کر لیا گیا ۔ وہ دو سال سے کچھ زیادہ عرصے تک ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں رہے اور اس کل مدّت میں سے ۱۸ مہینے تک وہ فرانسسکو کے ڈاکٹر ایلبرٹ ہلر کے یہاں رہے لیکن جہاں بھی وہ رہے لوگ ان کی بات سننے کے لیے جمع ہو جاتے اور اکثر انہیں دو یا تین گھنٹے تک تقریر کرنی پڑتی اور وہ مختلف گروہوں سے خطاب کرتے جو ان سے ملنا چاہتے تھے ۔ مسز پالین ویٹ مین جو خود بھی ایک ذہین اور مخلص عورت تھیں کیلیفورنیا میں سوامی رام تیرتھ کے اسٹینوگرافر کی حیثیت سے کام کرتی رہیں ۔ یہ امر افسوس ناک ہے کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں ان کے قیام کے بارے میں کوئی مفصّل یا متعلقہ تذکرہ نہیں ملتا ہے ۔ ہمیں اخبار کا اکا دکا خبروں اور چند مراسلات پر یہ اندازہ لگانے کے لیے بھروسہ کرنا پڑتا ہے کہ امریکی باشندوں پر انہوں نے کیا نقش چھوڑا ۔ پورن سنگھ اور نارائن سوامی نے ان کی جو سوانح عمریاں لکھی ہیں ان میں روشنی ڈالنے والے متعدد واقعات کا ذکر ملتا ہے ۔ ایسے بہت سے واقعات ان عورتوں کے بارے میں ہیں جو رام کے پاس اپنے نجی مسائل لے کر آیا کرتی تھیں ۔ ایسے چند اشخاص کا حوالہ دیتے ہوئے سوامی

رام تیرتھ نے کہا کہ یہ لوگ فرطِ تجسّس سے اس کا عجیب و غریب چہرہ دیکھنے اور عجیب و غریب زبان سننے کے لیے آتے تھے۔ اس نے کہا کہ جتنے لوگوں سے وہ ملا ان میں صرف دو ایسے تھے جو نہ صرف حقیقی معنوں میں روحانی تھے بلکہ بندۂ خدا بھی تھے۔

ایک عورت سوامی رام تیرتھ سے اس وقت ملنے آئی جب وہ آنکھیں بند کرکے سمادھی لگائے بیٹھے تھے۔ جب اپنے رونے دھونے پر بھی اس عورت کو کوئی جواب نہ ملا تو وہ بہت برہم ہوئی اور اس نے سوامی کو مغرور اور بدتمیز قرار دیا۔ جلد ہی رام نے "اوم" کا لفظ گنگنایا۔ اس کا فوراً ہی ردِعمل ہوا۔ اس عورت کے یہ اپنے الفاظ ہیں :۔

"مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے میں زمین سے اوپر اٹھ گئی ہوں۔ میں روشنی کی مورتی کی طرح ہوا میں تیرنے لگی۔ میں نے یہ محسوس کیا جیسے میں ہی کائنات کی ماں ہوں۔ تمام ممالک میرے ہیں اور تمام اقوام میرے بچے"۔

بعد میں یہی عورت ہندوستان آئی اور جن لوگوں سے وہ ملی ان کو اس نے بتایا کہ "اوم" کا لفظ اس کی ہڈیوں میں گونجتا رہا ہے۔ رام کے اثر کے تحت "میرے اندر امرت کے چشمے پھوٹ پڑے ہیں۔ بد دعا کا اثر زائل ہو چکا ہے اور میں ایک پاک دامن عورت بن چکی ہوں"۔

لاس اینجلس کیلے فورنیا کی مسز ویل مین ایک اور امریکی عورت تھی جو روحانی تسکین کے لیے سوامی کے پاس آئی۔ پورن سنگھ کے نام اس نے ایک خط میں یہ لکھا کہ وہ ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہوئے سوامی رام کا لیکچر سننے گئی

تھی۔ لیکن جب "اوم" کا لفظ گنگنایا گیا تو میرے ذہن کو رفعت مل گئی اور میرا سارا وجود ایک ایسی مسرت سے مرتعش ہو گیا جسے میں نے پہلے کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔ ایک خدائی مسرت آفریں سکون نے مجھے روشن کر دیا اور میں نے زندگی کی خوراک کھانے کا جو رام بڑی فیاضی سے دیتے تھے دوسرا موقع کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیا۔

ایک عورت جو اپنے اکلوتے بچے سے محروم ہو گئی تھی، دماغی سکون کے لیے رام کے پاس آئی۔ اس نے کہا کہ سوامی رام جو قیمت بھی طلب کریں گے وہ دے گی۔ سوامی رام نے کہا کہ میں جس سکے میں رقم کی توقع کرتا ہوں وہ اس رقم سے مختلف ہے جو اس کے ذہن میں ہے۔ جب وہ عورت ان کی شرائط مان گئی تو سوامی رام تیرتھ نے ایک نیگرو لڑکے کی طرف اشارہ کیا اور کہا: "اسے لے جاؤ اور اس سے اپنے بچے کی طرح محبت کرو۔"

جب اس عورت نے یہ احتجاج کیا کہ اسے ایک دشوار کام سونپ دیا گیا ہے تو رام نے کہا کہ مسرور و شادماں ہونا بھی بہت دشوار ہے۔ آخر میں اس عورت نے وہ مشورہ قبول کر لیا اور وہ کچھ راحت محسوس کرنے لگی۔

ایک عورت جو خدا کو نہیں مانتی تھی یہ امید لے کر رام تیرتھ سے ملنے آئی کہ وہ انہیں اپنے مسلک کا ہم نوا بنا لے گی۔ جب وہ پہنچی تو اس وقت سوامی رام سمادھی لگائے بیٹھے تھے۔ انہوں نے جب اپنی آنکھیں کھولیں اور اس عورت کی طرف دیکھا تو وہ بول اٹھی "میں اب ناستک (دہریہ) نہیں رہی۔ آپ کی ایک ہی نظر نے مجھے خدا کا قائل کر دیا ہے۔"

۲۰ رمئی ۱۹۰۳ء کو شاستا چشموں پر صدر روزویلٹ سے سوامی رام تیرتھ

کی اتفاقیہ ملاقات ہوئی۔ انہوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور امریکہ کے اولین شہری (صدر) کو ایک اپیل کی نقل پیش کی جو انہوں نے ہندوستان کی جانب سے امریکی عوام کے نام جاری کی تھی۔ ٹرین روانہ ہوئی تو روزویلٹ نے ہاتھ ہلا کر سوامی رام سے الوداع کہی۔

رام کی ہمدمی میں ہر کوئی اپنے آپ کو شاداں و فرحاں محسوس کرتا تھا ہم دو اور امریکی عورتوں کے خطوط کا حوالہ دیں گے تاکہ یہ بتا سکیں کہ ان کی موجودگی میں وہ کیسے بلند و بالا ہو گئی تھیں۔ یہ خراج عقیدت ان کی موت کے بعد پیش کیا گیا۔ ڈینور کولوراڈر کی مس فلورنس نے یہ خراج عقیدت پیش کیا :-

"تین برس ہوئے میں ایک بہت ہی خوب صورت انسان سے ملی۔ ایسا انسان میں نے پہلے کبھی دیکھا نہیں تھا۔ اس کی موجودگی مجھے خدا کے قریب لے گئی۔ اس کے الفاظ بہت سادہ تھے لیکن اس کے الفاظ میں یہ تیقن تھا کہ وہ خدا سے آگاہ ہے۔ بہرکیف یہ اس کے الفاظ نہیں تھے، یہ اس کی شخصیت نہیں تھی بلکہ یہ خدا کے الفاظ اور خدا کی شخصیت تھی جسے ہم اس کے اندر پہچان سکتے تھے اور جو کوئی بھی اس سے رابطہ قائم کرتا تھا اسے مکمل علم اور مفاہمت حاصل ہوتی تھی۔"

مسز ایمی ایف ہیسٹنگ کا اندازہ یہ ہے :-

"سوامی رام نے اس حقیقت کے باوجود کہ وہ ذات پات کی کٹر روایات والی سرزمین سے آئے تھے اور خود بھی اونچی ذات کے

برہمن تھے، یہاں لوگوں کو نہ صرف اپنے علم اور اپنی روحانی عقل و دانش سے بلکہ اپنی ہوش مندی، اپنے رسیلے اور نفیس طور و اطوار سے اور اپنے سادہ جمہوری طریقوں اور اپنے اردگرد پائے جانے والے حالات میں اپنے آپ کو ڈھالنے کی خوش گوار صلاحیت سے بہت مسحور کیا۔ وہ حقیقی مشرقی انداز میں ایک گھنٹے تک سمادھی لگانے یا رضامندی سے فلسفے پر بات کرنے یا مہمانوں سے مذاق کرنے اور ہنسنے یا گیند کا کھیل کھیلنے میں شریک ہو جاتے یعنی جیسا بھی موقع ہوتا ویسی ہی بات کرتے۔"

جس وقت سوامی رام ڈاکٹر ایلبرٹ ہلر کے یہاں رہ رہے تھے، وہ پڑوس میں واقع پہاڑی پر سے ایندھن کی لکڑیاں خاندان کے کچن کے لیے کاٹ کر لایا کرتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ میں امریکہ جیسے ملک میں اپنے حصے کی جسمانی محنت کیے بغیر رہنا پسند نہیں کرتا۔ ایک دفعہ انھوں نے کوہ پیمائی میں چند امریکیوں کا مقابلہ کیا۔ انہیں شاسٹا چوٹی (۱۴۴۴۴ فٹ) کو سر کرنا تھا۔ سوامی رام سب سے پہلے چوٹی کے اوپر پہنچے اور انہوں نے وہ انعام قبول نہ کیا جو انہیں پیش کیا گیا۔ ایک اور موقع پر وہ دوڑ میں شامل ہوئے۔ اگرچہ ۳۰ میل کی مسافت طے کرنی تھی لیکن پھر بھی انہوں نے باقی لوگوں کو پچھاڑ دیا اور وہ جیت والی جگہ پر سب سے پہلے پہنچے۔ وہ عام طور پر بہت خوش اور کھلنڈرے سے رہا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ریل روڈ کمپنی کے منیجر نے پوری "پل مین گاڑی" ان کی تحویل میں دیدی اور اس نے کہا "سوامی رام کی مسکراہٹیں دل میں گھر کر جاتی ہیں۔"

مسز وہٹ مین نے شاستا چشموں پر سوامی رام کی روزمرہ مصروفیات کا

ذکر کیا ہے جہاں وہ بہت سے مہینوں تک رہے :۔

" وہ ایک پہاڑی پر ایک خیمے میں رہتے تھے اور کھانا مویشیوں کے باڑے والے مکان میں کھاتے تھے ۔ وہ ایک خوبصورت جگہ تھی ۔ پتھریلی تھی ۔ دونوں طرف اونچے اونچے پہاڑ تھے ۔ سدا ہرے بھرے رہنے والے درختوں اور الجھی ہوئی جھاڑیوں سے ڈھکے ہوئے ۔ اس وادی میں سکرانٹیو دریا دندناتا ہوا بہتا تھا اور یہاں سوامی رام نے بہت سی کتابیں پڑھیں ، ارفع واعلیٰ نظمیں لکھیں اور جہاں وہ گھنٹوں سمادھی بھی لگائے رہتے تھے ۔ انھوں نے دریا میں ایک بڑا پتھر رکھ دیا جہاں دریا کا بہاؤ بہت تیز تھا ۔ وہ دنوں اور ہفتوں تک گھر میں صرف کھانا کھانے کے وقت آتے اور ہمیشہ ہم سے بہت خوب صورت گفتگو کیا کرتے ۔ شاستا چشموں سے متعدد مہمان ان سے ملنے کے لیے آتے اور وہ خندہ پیشانی سے ان کا خیر مقدم کیا کرتے ۔ وہ دور تک چہل قدمی کیا کرتے ۔"

" وہ وہاں اس طرح رہتے تھے ۔ مصروف ، سادہ اور پُرمسرت زندگی بسر کرتے تھے ۔ وہ از خود ہنس پڑتے تھے اور جب وہ دریا کے کنارے پر ہوتے تھے تو ان کی ہنسی کی آواز گھر میں صاف سنائی دیتی تھی ۔ وہ ایک بچے اور ایک رشی کی طرح تھے ۔ وہ دنوں تک خدا کے عرفان و ادراک میں جذب رہتے ۔ ہندوستان سے ان کی غیر متزلزل عقیدت اور ہندوستان کے ظلمت میں رہنے والے لوگوں کو رفعت عطا کرنے کے

یہ ان کی خواہش واقعی مکمل ضبطِ نفس کے مترادف تھی۔ وہ ہر ایک اور تمام لوگوں میں الوہیت دیکھتے تھے اور وہ ہر کسی کو خوش نصیب بندۂ خدا کہہ کر بلایا کرتے تھے"۔

سوامی رام تیرتھ نے ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں اپنے قیام کا یوں فائدہ اٹھایا کہ انہوں نے اس ملک کا وسیع پیمانے پر سفر کیا۔ انہوں نے بہت سی امریکی یونیورسٹیوں میں تقریریں کیں اور بہت سے غیر رسمی مباحثے منعقد کیے۔ جن لوگوں نے انہیں سنا یا جن لوگوں سے ان کا رابطہ قائم ہوا انہوں نے ہندوستان سے آنے والے اس مہمان کے لیے دل میں ازخود احترام کے جذبے کو فروغ دیا۔ مسٹر ویٹ مین نے ان گفتگوؤں اور لیکچروں کو لفظ بہ لفظ قلمبند کیا۔ چند تقریریں امریکی اخبارات میں شائع کی گئیں اور اخباروں کے قارئین کا تعارف مقرر کی شخصیت سے کرایا گیا۔ اس کے بعد رام تیرتھ پبلیکیشن لیگ لکھنؤ نے ان لیکچروں کو مکمل طور پر آٹھ جلدوں میں شائع کیا اور ہر جلد ۴۰۰ صفحات پر مشتمل تھی۔ اس مجموعے کا نام ہے "عرفانِ خدا کے جنگل میں"۔

سوامی رام کی زبان اور ان کے نجی سبھاؤ کے بارے میں لکھتے ہوئے ایک امریکی مداح نے کہا کہ سوامی کی زبان پیارے اور معصوم بچے کی زبان تھی، پرندوں، پھولوں، بہتی ندیوں، لہلہاتے پیڑوں کی زبان تھی، سورج، چاند اور تاروں کی زبان تھی۔ یہ انسانوں کے تصورات اور خوابوں میں دور تک جاگزیں ہو جاتی تھی۔ جہاں تک ان کے مزاج کا تعلق تھا وہ بہت نرم تھا، بچے جیسا تھا، خالص اور مقدس تھا، پُر خلوص، ایماندارانہ اور سادہ تھا۔ ہر لیکچر کے بعد سوالات کیے جاتے تھے اور ہمیشہ صاف اور مختصر طور پر اور رسیلے انداز میں ان

کا جواب دیا جاتا تھا۔

چند امریکی اخبارات نے ان کی آمد پر نظر رکھی تھی اور ان کی تقریریں شائع کی تھیں۔ سوامی رام چونکہ زیادہ تر دیہات میں رہتے تھے لہٰذا ضلع کے اخبارات ہی ان کے دورے کے متعلق اطلاع دیتے تھے۔ ڈینور کے اخبار "راکی ماؤنٹین نیوز" نے جنوری ۱۹۰۴ء میں یہ خبر شائع کی:-

"کل سہ پہر کو "یونٹی چرچ" میں سوامی رام نے جو ہندوستانی پروفیسر ہیں اور اس وقت ڈینور میں ہیں، اپنے فلسفے کے اصولوں پر لیکچر دیا۔ انھوں نے اس سلسلے میں یہ کہا "اس فلسفے کا مقصد یہ ہے کہ آج کل کی زندگی کے طور و اطوار کو باقاعدہ بنایا جائے۔ یہ فلسفہ آج کی باتوں پر صاف اور واضح اثر رکھتا ہے ـــــ توانائی کم سے کم ضائع کی جائے، جسم اور دماغ کو گھسنے نہ دیا جائے، حسد و رقابت، خود سری، بدمزاجی کے باعث پیدا ہونے والے ہر قسم کے انتشار کا خاتمہ کیا جائے، ضعفِ دماغ کا علاج کیا جائے، ذہنی افلاس اور روحانی غلامی کو دور کیا جائے، کامیاب کام کا بھید پایا جائے، محبت سے خدا کا ادراک حاصل کیا جائے، علم کے ماخذ سے رابطہ برقرار رکھا جائے، ہم اپنا توازن اور امن و سکون کو محفوظ رکھیں۔ یہ وہ مضامین ہیں جن کا میں درس دیتا ہوں"

"میرا مذہب ہندو دھرم، اسلام، عیسائیت کیتھولک یا پروٹیسٹنٹ نہیں ہے، میرا مذہب کسی کا دشمن نہیں، آفتاب کے احاطے میں علاقہ، تارے، دریا، زمین کی کشش، دماغ، جسم، میرے مذہب کے یہی میدان ہیں۔ کیا کہیں پریسٹبیرین پھول ہیں؟ کیا کہیں میتھاڈسٹ

ارضی مناظر ہیں؟ اسی طرح میں بھی ذات رنگ یا نسل میں کوئی امتیاز روا نہیں رکھتا جب میں اپنے ہم مذہبوں کا خیر مقدم کرتا ہوں اور میرے وہ ہم مذہب کون ہیں۔ سورج کی کرنیں ہیں۔ ستاروں کی چمک ہے، پیڑوں کے پتے، گھاس کی پتیاں، ریت کے ذرے، شیروں، ہاتھیوں، بھیڑوں، چیونٹیوں، مردوں، عورتوں اور بچوں کے دل ہیں۔ میرے مذہب کا کوئی نام نہیں۔ یہ قدرت کا مذہب ہے۔ میں اسے ایک "مشترکہ راستے" کا نام دیتا ہوں۔ میں نے ایک نظم میں یہ مرکزی تعلیم بیان کی ہے:"

"اے پیارے بنفشہ کے چھوٹے سے پھول، اپنی شبنمی آنکھوں سے اوپر دیکھ اور جب کوئی نزدیک نہ ہو تو مجھے سچ سچ بتا کہ تو کون ہے؟"

بنفشہ کے پھول نے ہلکی سی آہ بھر کر جواب دیا۔

" اگر تنہائی میں یہ بات بتائی جائے
تو میں بڑی افسردگی کے ساتھ یہ کہوں گا
کہ اس بات کا کبھی پتہ نہیں چل سکے گا
کہ میں کون ہوں۔
میرے بھائی اور میری بہنیں چاروں طرف موجود ہیں
ہوا میں اور زمین پر
اور وہ سب مجھ جیسے ہیں"

سان فرانسسکو کے ایک اخبار نے یہ خبر شائع کی:-

"شمالی ہندوستان کے جنگلوں سے حیرت انگیز عقل و دانش رکھنے والا انسان، پیغمبر، فلاسفر، سائنس داں اور پجاری آیا ہے جو طاقت ور ڈالر کے سب پوجنے والے پرستاروں کے سامنے بے غرضی اور روحانی قوت کے ایک نئے نظریے کا پرچار کرنا چاہتا ہے۔ ہمالیہ کا یہ حیرت انگیز سادھو دبلا پتلا ذہین انسان ہے جو ایک پجاری کے پرہیزگار سانچے میں ڈھلا ہوا ہے اور جو اونچی ذات کے برہمن جیسا رنگ روپ رکھتا ہے۔ اس کا ماتھا چوڑا اور اونچا ہے اور اس کا سر عظیم الشان ڈھنگ سے پروان چڑھا ہے، اس کی ناک ایک عورت کی ناک کی طرح پتلی اور نازک ہے اور اس کی ٹھوڑی کسی قسم کی ضد اور ہٹ کے بغیر مضبوط ارادے کو نمایاں کرتی ہے۔ کشادہ، مہربان اور نرم منہ جب چمکتے ہوئے سفید اور نفیس دانتوں پر آزادی سے کھلتا ہے تو اس کا تبسم ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے آس پاس کی تمام جگہ کو روشن کر رہا ہو اور وہ چشم زدن میں ان تمام لوگوں کا اعتماد اور خیر سگالی حاصل کر لیتا ہے جو اس کے تبسم کی تابانی کے دائرے میں آتے ہیں۔"

"کل اس نے کہا۔" میں کیسے رہتا ہوں؟ یہ ایک سادہ سی بات ہے میں کوشش نہیں کرتا — میں تو یقین رکھتا ہوں — میں اپنی روح کے ساز کے سُر تال انسانوں کے لیے محبت کے آہنگ سے ملا دیتا ہوں — یہی وجہ ہے کہ سب انسان مجھ سے محبت کرتے ہیں اور جہاں محبت ہوتی ہے وہاں نہ کوئی ضرورت

رہتی ہے نہ مصیبت۔ یہ دماغی کیفیت اور اعتقاد میرے پاس ایسے اثرات لاتی ہے جو مانگے بغیر میری ضروریات پوری کر دیتے ہیں۔ اگر میں بھوکا ہوتا ہوں تو ہمیشہ کوئی نہ کوئی مجھے خوراک دینے والا موجود ہوتا ہے۔ مجھے اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ میں کسی سے روپیہ لوں یا کوئی چیز مانگوں۔ اس کے باوجود میرے پاس سب کچھ ہے۔ بیشتر لوگوں سے زیادہ ہے چونکہ میں زیادہ تر ایسی دنیا میں رہتا ہوں جسے بہت کم لوگ حاصل کر سکتے ہیں۔"

سوامی رام ایک مہینے کے لیے پورٹ لینڈ میں (اوریگان)، ایک مہینے کے لیے ڈینور میں، دو ہفتے شکاگو میں اور اتنے ہی دن منیاپولس میں رہا کرتے تھے۔ انہوں نے ان تمام مقامات پر ویدانت کی انجمنیں قائم کیں۔ مینا پولس سے وہ بفلو (نیویارک)، بوسٹن، نیویارک، فلاڈلفیا اور واشنگٹن ڈی۔سی گئے۔ ایک اخبار کی خبر کے مطابق امریکہ میں ان کا مشن دوہرا تھا۔ "پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ اپنے ملک میں امریکیوں کی دلچسپی ابھاریں اور اس مقصد کو لیے ہوئے ابھاریں کہ ہندوستانی نوجوانوں کو تعلیم دینے میں مدد دی جائے۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ ہندوستانی نوجوانوں کو امریکی کالجوں میں لائیں جہاں وہ اپنے دل میں نہ صرف علم بلکہ امریکی ہمت و حوصلہ اور پیش قدمی، آزادی اور امریکی حریت کا جذبہ پیدا کریں اور اس کے عوض میں وہ اپنے وطن واپس جائیں اور اپنے لوگوں کو تعلیم دیں۔ ان کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے فلسفے کو یعنی ہمیشہ رہنے والے خدا سے انسان کی وحدت کے عقیدے کو دور دور تک پھیلائیں۔"

ان دونوں سمتوں میں سوامی رام کی کوششیں بڑی حد تک کامیاب رہیں۔ وہ ضرورت مند ہندوستانی طلبار کے لیے وظیفے حاصل کر پائے جو بہت سی امریکی یونیورسٹیوں میں ایک خاص میعاد کے لیے تھے انہوں نے ویدانت میں بہت دل چسپی ابھاری اور جن مقامات کا انہوں نے دورہ کیا وہاں وہ اپنے بہت سے چیلے چھوڑ آئے۔

فلسفہ ۔ مختصر الفاظ میں

اس خط میں جو انہوں نے پورٹ لینڈ کی مسز ای۔ سی کیمپبیل کو لکھا ایسے آٹھ ذرائع گنوائے جو عام طور پر ہمارے لئے پریشانی پیدا کرتے ہیں اور ہمارا ذہنی سکون چھین لیتے ہیں۔ وہ آٹھ ذرائع یہ ہیں۔

۱۔ دماغی طور پر ایک شخص کا دوسرے شخص سے مقابلہ یا موازنہ کرنا۔

۲۔ اپنے آپ کا دوسرے شخص سے اس طرح کا مقابلہ یا موازنہ کرنا۔

۳۔ حال کا ماضی سے موازنہ کرنا اور ماضی کی غلطیوں پر غور کرنا۔

۴۔ مستقبل کے منصوبوں پر غور کرنا اور آنے والے وقت سے ڈرنا۔

۵۔ عظیم حقیقت یعنی خدا کے سوا کسی اور سے دل نہ لگانا۔

۶۔ ظاہری شکل وصورت پر بھروسہ کرنا اور عملی طور پر چیزوں کی باطنی ہم آہنگی پر اعتبار نہ کرنا۔

۷۔ محض الفاظ یا لوگوں کا رویہ دیکھ کر فوراً نتائج برآمد کر لینا اور

۸۔ بات چیت میں دور تک بھٹک جانا۔

ان لغزشوں سے کیسے گریز کیا جائے؟ انھوں نے مسز پالین ویٹمین

کی ماں کو ایک خط میں جو انہوں نے شاستا چشموں سے لکھا ہدایت کا ایک مجموعہ پیش کیا۔ وہ احکام یہ ہیں :-

۱۔ اپنے آپ کو بالکل خوش اور پر سکون رکھو خواہ کچھ بھی کیوں نہ ہو جائے، بیماری، موت، بھوک، تہمت وغیرہ۔ اپنے خدا کی سرزمین پر شگفتہ رو اور پر سکون رہو اور ہمیشہ اپنے خدا کے وفادار رہو۔

۲۔ یہ دُنیا، اس میں رہنے والے اور باقی سب کچھ فانی ہے لہٰذا اپنی ذات کی عظمت منواؤ۔ یہ بات نہ بھولو کہ تمہاری سچی ذات ہی تمام ضرورتوں سے بے نیاز ہے۔ لہٰذا ہرگز ہرگز یہ محسوس نہ کرو کہ تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہے۔

۳۔ جب تم ویدانت کے ان اصولوں پر کاربند رہو گے تو صداقت کی رسیلی خوشبو تم سے خود بخود پیدا ہوگی۔

۴۔ سونے سے پہلے یہ مضبوط فیصلہ کرو کہ جب تم جاگو گے تو اپنے آپ کو ویدانت کی مجسم صداقت پاؤ گے۔ جب تم صبح بیدار ہو تو اپنے آپ کو اس فیصلے کی یاد دلاؤ۔

۵۔ جب بھی موقع ملے اپنے دل میں "اوم" گنگناؤ۔

ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں سوامی رام کی کامیابیوں کی کہانی کا خلاصہ ہم پنجاب کے عظیم دانشور اور انقلابی لالہ ہردیال کے ایک مضمون کے اقتباس کے ذریعے پیش کریں گے جو جولائی ۱۹۱۱ء میں کلکتے کے "ماڈرن ریویو" میں شائع ہوا تھا۔

"ملک کے اس حصے میں (ریاست ہائے متحدہ امریکہ) ایسے

بہت سے لوگ ہیں جو پیارے سوامی رام تیرتھ کی یاد اپنے دل میں بسائے ہوئے ہیں اور وہ لوگ یہ بتاتے ہیں کہ وہ ایک سچے تپسوی کی طرح رہتے تھے اور انہوں نے کیلیفورنیا کی پہاڑی وادیوں میں دیہاتیوں کے دلوں پر فتح پائی تھی اور مقامی اخبارات میں ان کے لیکچروں پر جو بلند بانگ رائے چھپی تھی وہ اسے سمندر میں پھینک دیا کرتے تھے۔ وہ امریکہ میں آنے والے عظیم ہندو حقیقی سادھو اور سنیاسی تھے جن کی زندگی ہندو روحانیت کے اعلیٰ اصولوں کی عکاسی کرتی تھی چونکہ ان کی روح اس عالمگیر جذبے کی محبت کا احترام کرتی تھی جسے پانے کی وہ کوشش کر رہے تھے۔"

ساتواں باب

بدیس سے گھر کو واپسی

ریاست ہائے متحدہ امریکہ سے واپس آتے ہوئے سوامی رام تیرتھ نے چند دن مصر میں گزارے۔ عربی کے وسیع علم نے انہیں اس بات میں مدد دی کہ وہ ایک مسجد میں مسلم سامعین کے سامنے ان کی زبان میں ہی تقریر کریں۔ یہ ساری تقریر اخبار "الوہاب" میں شائع کی گئی اور اس نے لوگوں پر ایک گہرا تاثر چھوڑا۔ مصری باشندے انہیں اپنا سمجھنے لگے۔ ایک طرح سے سوامی رام دُنیا کے حقیقی شہری بن گئے تھے۔ ایک طرح کے عالمگیر انسان بن گئے تھے چوں کہ جاپان میں، ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور مصر میں لوگ انہیں اپنا ہم وطن سمجھتے تھے اجنبی نہیں۔

انہوں نے تقریباً ڈھائی سال ایسے گزارے کہ ان کی خود آگہی مزید مضبوط ہوئی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب وہ اپنے آپ کو حقیقی معنوں میں بادشاہ سمجھنے لگے اور اپنے نام کے ساتھ "بادشاہ" کا لقب استعمال کرنے لگے۔ ۸ دسمبر ۱۹۰۴ء

کو وہ بمبئی پہنچے ۔ ان کے متعدد پیروؤں اور مداحوں نے ان کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔

ان میں ان کا ایک پرانا ساتھی شوگن آچاریہ تھا جس نے ان کو ترغیب دی کہ وہ اس کے ساتھ چند روز گزارنے کے لیے متھرا چلیں لیکن وہ راستے ہی میں ناسک اور ہوشنگ آباد میں اتر پڑے جہاں انہوں نے اپنے خاص انداز میں ویدانت پر تقریریں کیں۔ متھرا کے لوگوں نے جوان کے پہلے دورے کو بھولے نہیں تھے ان کو اپنے دل میں جگہ دی اور انہوں نے لوگوں سے جو کچھ کہا لوگ وہی کرتے رہے۔ ایک دفعہ جب وہ جمنا کے کنارے پر لیٹے ہوئے تھے اور دھوپ کھا رہے تھے تو چند ہندوستانی عیسائی ایک کشتی سے اترے۔ ان کے مشورے پر پورن سنگھ نے جوان سے آملا تھا عیسائیوں کو اشارہ کیا اور جب وہ آئے تو سوامی رام نے انہیں پُرمسرت کرسمس کی مبارکباد دی۔ ان کی تبدیلیٔ مذہب پر اعتراض کیے بغیر سوامی رام نے امید ظاہر کی کہ تبدیلیٔ مذہب سے انہیں حقیقی رفعت ملی ہوگی۔

ان کے مشن کالج کا ایک پرانا ساتھی ان سے متھرا میں ملا اور بات چیت کے دوران اس نے پوچھا کہ انہوں نے اپنا خاندان، اپنے احباب، طلبار اور رشتے دار کیوں چھوڑ دیئے تھے۔ رام نے اس سوال کا یہ جواب دیا کہ آدمی ان ہی لوگوں سے ہم آہنگ ہو سکتا ہے۔ جو اس اوجِ کمال پر ہوتے ہیں جس پر اس کا ذہن کام کر رہا ہوتا ہے۔ آدمی کا حقیقی پڑوسی وہ شخص ہوتا ہے جو ایک ہی سطح پر آدمی کے جذبے کے قریب ہو کر رہتا ہے اور ضروری نہیں ہے کہ وہ آدمی اسی گھر میں رہتا ہو جیسے مثال کے طور پر مکھیاں، مچھر اور چوہے ایک ہی گھر میں رہتے ہیں۔

کسی نے سوامی رام کو یہ مشورہ دیا کہ وہ ایک نئی تنظیم قایم کریں جس کے ذریعے سے وہ قومی تعمیر کے متعلق اپنے تصورات کے سلسلے میں کام کر سکتے ہیں۔ سوامی رام نے یہ مشورہ پسند نہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ میں چونکہ تمام موجودہ سوسائٹیوں کو اپنا سمجھتا ہوں لہٰذا میں ان کے ذریعے ہی کام کروں گا۔ انہوں نے اپنا مسلک اِن الفاظ میں واضح کیا :-

"ہندو مسلم، عیسائی اور پارسی درحقیقت وہ تمام لوگ جن کی ہڈیاں اور خون ہندوستان میں پیدا ہونے والے اناج اور نمک سے بنا ہوا ہے میرے بھائی ہیں بلکہ میرے اپنے ہیں۔ میں ان سب سے بغل گیر ہوں اور کسی کو مستثنیٰ نہیں رکھتا ہوں۔"

یہ بات تعجب خیز نہیں ہے اگر اس وقت کی حکومت نے ان پر شک کیا اور ان کو زیرِ نگرانی رکھا گیا۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ سے واپسی پر سوامی رام قومی آزادی کی باتیں کرنے لگے یعنی انھوں نے کہا کہ لوگوں کو عظیم قربانیاں کرنی ہوں گی پھر کہیں جا کر بھارت ماتا آزاد ہوگی۔ یہ امر بالکل واضح ہے کہ وہ سیاسی محاذ پر ترقی کو بھی بھاری اہمیت دیتے تھے۔ پورن سنگھ یہ ذکر کرتے ہیں کہ کسی ایک صبح دو آدمی سوامی رام سے ملنے آئے اور سوامی رام ان کو دیکھ کر ہنسنے لگے۔ انہوں نے کہا کہ وہ آدمی ایک ایسے شخص کے بارے میں جاسوسی کرنے آئے تھے جو اپنا دل سب کے سامنے کھول کر رکھ دیتا ہے۔ آنے والے دونوں آدمی فوراً ان کے قدموں پر گر پڑے اور گڑگڑا کر معافی مانگنے لگے اور کہنے لگے کہ وہ گناہگار تھے مگر ڈیوٹی دینے پر مجبور ہو کر اس جگہ آئے تھے۔ انہوں نے اعتراف کیا کہ وہ سی۔ آئی۔ ڈی۔ (خفیہ پولس) کے آدمی تھے اور ان کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ ان کی نگرانی کریں۔

سرکار کی یہ توجہ سوامی رام کو اس کام سے نہ روک سکی جسے وہ کرنا چاہتے تھے۔

وہ یہ پرچار کرتے رہے کہ ویدانت کے پیرو کو کیسے رہنا چاہیے اور کیسے اپنے ملک کی خدمت کرنی چاہیے۔ یہ تمام باتیں شوگن آچاریہ کے لیے مردود باتیں تھیں چونکہ اس کے لیے سیاست ایک لعنت تھی۔ اس نے سوامی رام تیرتھ کو مشورہ دیا کہ وہ ہندوستانی راجوں مہاراجوں سے رابطہ قائم کریں اور ان سے چندہ لے کر اپنا ایک فرقہ قائم کریں، ایک مشن شروع کریں اور عنانِ اقتدار اپنے ہاتھوں میں لے لیں۔ سوامی رام پر یہ بات واضح تھی کہ سادھوپن کے قطعِ نظر شوگن آچاریہ کے دل میں بھی ارمان کا شعلہ روشن تھا اور وہ ان کو اپنا آلۂ کار بنانا چاہتا تھا۔ سوامی رام نے اس طرح اس "گٹھ جوڑ" کو روکا کہ وہ چپکے سے متھرا سے چلے آئے اور بعد میں انہوں نے اپنے میزبان کو خط لکھا کہ وہ اپنے ہی اصولوں پر کام کرنا چاہتے ہیں جن میں راجوں مہاراجوں، ان کی دولت اور تشنوں کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

پُشکر میں

سوامی رام تیرتھ اب پُشکر چلے گئے جہاں وہ ایک جھیل کے کنارے پر واقع اسٹیڈیٹ ہاؤس میں رہے۔ نارائن سوامی جو لندن سے واپس آکر جنوب کا دورہ کر رہا تھا۔ ان سے وہاں آملا۔ پورن سنگھ بھی لاہور سے وہاں پہنچ گیا۔ سوامی رام کے پاس بانس کا ایک کھوکھلا ٹکڑہ تھا جو پنسلوں کے بکس کے طور پر بھی استعمال ہوتا تھا۔ سوامی رام نے بانس کے اس ٹکڑے کے بارے میں کہا کہ وہ ان کا جادو کا ڈنڈا تھا جس سے وہ مگرمچھوں کو مار بھگائیں گے کیوں کہ جھیل میں بہت زیادہ مگرمچھ تھے۔ سوامی رام کے بیان کے مطابق ان کی یہ چھوٹی سی چھڑی ہی ان کا زادِ سفر تھی۔ اسے ہاتھ میں لے کر وہ دور تک چہل قدمی

کے لیے جایا کرتے تھے۔ انہوں نے پورن سنگھ اور دیگر ساتھیوں کو یہ دعوت دی کہ وہ ان کے ساتھ مل کر جھیل میں نہائیں۔ انھوں نے بانس کے ٹکڑے سے جوان کے سامنے تیر رہا تھا اپنے ساتھیوں کی رہنمائی کی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مگرمچھوں کی عادات کا مطالعہ کر رکھا تھا۔ انہوں نے غوطہ لگانے کے بعد اپنے ساتھیوں سے کہا کہ مگرمچھ ان کی طرف آ رہے تھے اور یہ بات سچی بھی تھی اور نہانے والی پارٹی فوراً پانی سے باہر نکل آئی۔

سوامی رام نے تین مہینے پشکر میں گزارے اور پھر وہ کچھ مدت کے لیے جے پور گئے۔ انہوں نے نارائن کو سندھ اور افغانستان بھیجا اور وہ خود دارجیلنگ گئے اور انہوں نے وہاں قدرت کی ہمدمی میں بہت خوشی محسوس کی۔ اگست ۱۹۰۵ء کے آخر میں انہوں نے مسز ویل مان کو جو خط لکھا اس میں انہوں نے کہا کہ ماؤنٹ ایورسٹ کے مقابل تین مہینے کے قیام کے دوران میں نے بیس کتابیں پڑھی ہیں اور پانچ کتابیں لکھی ہیں۔ انھوں نے کہا "نام، مسرت، ارمان دولت اور کامیابیاں آخر ہوتی کیا ہیں جب انسان جنگل میں خدا سے مل سکتا ہے۔" ستمبر کے اوائل میں وہ اس پہاڑی مقام سے روانہ ہوئے تاکہ بنگال اور بہار کے چند شہروں کا دورہ کر سکیں۔ اکتوبر میں وہ لکھنؤ پہنچے اور شہر میں دو ہفتے تک عوامی لیڈر اور صحافی بابو گنگا پرساد ورما کے مہمان کی حیثیت سے ٹھیرے۔ وہ اپنی قیام گاہ میں صبح طلبا سے ملتے اور سہ پہر کو وہ اسکولوں اور کالجوں میں جاکر طلبا کے سامنے تقریر کرتے۔ شام کو وہ قیصر باغ میں تقریر کرتے جہاں ہزاروں لوگ ان کی تقریر سنتے اور لیکچر ختم ہو جاتا تو لوگوں کا ہجوم ان کے ساتھ ورما کے مکان تک جاتا۔ طلباء کے ساتھ اپنی بات چیت کے دوران وہ ان کو یہ سمجھاتے کہ باقاعدہ جسمانی ورزش اور مادرِ وطن کی خدمت

کے لیے ایثار بہت ضروری ہے ۔

غالباً اس وجہ سے کہ انہوں نے بہت زیادہ کام کیا تھا ان کی صحت خراب ہوگئی۔ وہ ہردوار گئے لیکن ان کی صحت اچھی نہ ہوئی. نارائن کو جو اس وقت سندھ میں تھا یہ پیغام بھیجا گیا کہ وہ واپس چلا آئے. علاج چونکہ کارگر ثابت نہیں ہوا تھا لہٰذا بند کر دیا گیا اور سارا معاملہ قدرت پر چھوڑ دیا گیا۔ اس طرح کچھ مدد ملی اور سوامی رام تبدیلیٔ آب وہوا کے لیے مظفر نگر چلے گئے۔ وہاں رہتے ہوئے انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ مغربی ہمالیہ واپس چلے جائیں گے تاکہ تنہائی اور وقت ملے اور وہ کتابی صورت میں اپنے امریکی لیکچر مرتب کر سکیں۔ وہ اور نارائن دونوں ساتھ ساتھ ہردوار گئے۔ اس وقت کوئی بھی یہ نہیں جانتا تھا کہ ہمالیہ کی پہاڑیوں میں موت ان کو ان کی ابدی آرام گاہ میں لے جانے کے لیے ان کی منتظر تھی ۔

آٹھواں باب

سفر کا انجام

ہردوار پہنچ کر سوامی رام ایک مختصر سی مدت کے لیے وہاں رہے تاکہ اس مقدس مقام سے اپنی شناسائی کی تجدید کر سکیں۔ وہ مختلف مندروں میں اور گھاٹوں پر گئے اور شہر اور اس کے ماحول کے دیگر حسن تلاش کیے۔ سادھوؤں کا ہجوم دیکھ کر انہوں نے یہ سمجھا کہ ان کے حالات کو بہتر بنانے کی فوری ضرورت ہے خاص طور پر اس لیے کہ انہوں نے محسوس کیا کہ بہت سے سادھو ان کی تعلیمات پر عمل کرنے کے مشتاق تھے۔ گنگا کے مقابل کنارے پر ایک چٹان پر چاندی مندر خاص طور سے پیارا معلوم ہوا۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ جگہ چوں کہ صحت بخش تھی لہٰذا انہوں نے اس موسم گرما میں کشمیر جانے کا فیصلہ ترک کر دیا اور ہردوار میں اپنے قیام کو اپنے مسلک کی تبلیغ کے لیے اردو میں تین کتابیں مکمل کرنے کے واسطے استعمال کیا۔ وہاں انہیں خداداد نامی ایک شخص ملا جو سوامی رام کی مسکراہٹ کی خوب صورتی اور دلکشی

کا مداح تھا۔

نومبر ۱۹۰۵ء میں رام اور نارائن رشی کیش گئے اور وہاں سے سوامی رام ایک خاموش اور الگ تھلگ واقع جھونپڑے کی تلاش میں جہاں وہ رہنا چاہتے تھے بدری ناتھ کی طرف چلے گئے۔ نارائن کو کھانے پینے کا سامان، کتابیں اور دوسرا سامان لے کر ان کے پیچھے آنا تھا۔ یہ تلاش سوامی رام کو ایک ایسی جگہ لے گئی جسے ویاس آشرم کہا جاتا تھا اور وہ رشی کیش سے ۳۰ میل دور تھا اور بڑے دریا اور ویاس گنگا کے سنگم پر واقع تھا۔ یہ ایک بہت ہی دشوار گزار جگہ تھی اور وہاں ایک پنگھوڑے یا ایسی ٹوکری کی مدد سے پہنچا جا سکتا تھا جو ریشوں کے رستے سے بنی ہوئی ہو یعنی اسے دریا کے آر پار دو چٹانوں سے باندھ دیا جائے۔ ایک چٹان اس کنارے پر ہو اور دوسری دوسرے کنارے پر۔ اس علاقے میں تنکوں کی تین جھونپڑیاں بنائی گئیں اور ہر جھونپڑی کے درمیان نصف میل کا فاصلہ تھا۔ سنیاسیوں کو ایک دوسرے سے الگ رہنا تھا لیکن ان کی رسوئی مشترکہ تھی جس کے لیے سامان خورد و نوش پہلے کی طرح بابا رام ناتھ کالی کمبلی والا سپلائی کرتا تھا۔ سوامی رام نے اب حجامت بنانی چھوڑ دی۔

ہردوار میں سوامی رام تیرتھ کے تازہ قیام کے دوران کسی نے انہیں سنسکرت گرامر اور ویدوں کے وسیع تر مطالعے کی ضرورت کا مشورہ دیا تھا۔ سوامی رام تیرتھ نے اپنی تعلیم میں اس کمی کو پورا کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند ماہ کے اندر وہ لازمی ویدک ادب سے آشنا ہو گئے۔ پورن سنگھ

کے الفاظ میں اب وہ ایک ایسے عالم بن چکے تھے جو ویدوں کی روایتی تشریحات کے کٹر پنتھی جذبہ اور مغربی تنقید و تحقیق کو اپنے علم میں ملا چکے تھے۔ پورن سنگھ کہتے ہیں کہ اس مطالعہ نے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سوامی رام کے پرندے کی طرح شاداں و فرحاں جذبے کو مفلوج کر دیا اور اس کا نتیجہ یہ بھی ہوا کہ انہوں نے ان لوگوں کی رائے سے اختلاف کیا جو ویدوں کو خطا سے پاک یا جدید سائنس کی درسی کتابیں سمجھتے تھے۔ وہ ماہرینِ علم فلسفہ کی تعریف کرنے لگے اور وہ یہ سمجھنے لگے کہ ہندوستانی سادھو شنکر آچاریہ ہی ویدوں کے ادب کے صحیح رہنما تھے۔

فروری ۱۹۰۶ء میں رام نے ایک زیادہ سرد اور زیادہ الگ تھلگ جگہ پر منتقل ہونے کا خیال کیا۔ ٹیہری میں جہاں وہ جا چکے تھے مہاراجہ نے ان کا اور نارائن کا پرتپاک خیر مقدم کیا جس کے وہ چند روز تک مہمان رہے لیکن ان کی منزل وشسٹ آشرم تھی جس کے بارے میں یہ بتایا گیا کہ سوامی رام کے نقطۂ نظر سے وہ ویاس آشرم سے بہتر تھا۔ ٹیہری سے تقریباً ۵۰ میل دور یہ آشرم بارہ تیرہ ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے لیکن اس جگہ ایک شدید قسم کا نقص بھی تھا۔ کالی کمبلی کیشتر کے ہاتھوں میں ان کی خوراک کے انتظامات ابھی تک تسلی بخش تھے لیکن پہلے ٹیہڑی اور پھر مارچ ۱۹۰۶ء میں وشسٹ آشرم میں پارٹی کے نکاس کے باعث یہ انتظامات خراب ہو گئے۔ وشسٹ آشرم میں ایک مہینے کے قیام کے بعد سوامی رام تیرتھ سخت بیمار ہو گئے اور یہی حال اس رسوئیے کا ہوا جو ان کے ساتھ گیا تھا۔ اس بُرے آغاز کے باوجود سوامی رام تیرتھ نے اس جگہ کو پسند کیا۔ یہ جگہ برف کی قطار سے اوپر واقع تھی۔ اس گپھا کے نیچے جس میں وہ رہتے تھے ایک ندی بہتی تھی۔ نصف درجن

کے قریب اس میں آبشار تھے جن کے باعث اتنے ہی تالاب بن گئے تھے۔ پہاڑیاں دیودار اور صنوبر کے درختوں سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ ایک نوجوان روزانہ سوامی رام کا کھانا پکانے کے لیے آتا تھا اور رات کو تین میل دور ایک گاؤں میں رہنے کے لیے چلا جاتا تھا۔ اس جگہ سے کیدار ناتھ، بدری ناتھ، سمیرو پربت، کیلاش، گنگوتری اور جمنوتری کا منظر صاف نظر آتا تھا۔ وہ سب ایک نیم دائرے میں تھے۔ "میں اس خوب صورت جنگل میں ہنستا اور گاتا ہوں، تالیاں بجاتا ہوں اور ناچتا ہوں۔" اس خطے میں سوامی رام نے جنگلی گلاب کی جھاڑیاں اور اسٹرابریاں دیکھیں۔

جس گپھا میں سوامی رام رہتے تھے اس کا ایک شدید نقص یہ تھا کہ بارش کے بعد بارش کا پانی اس میں بھر جاتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ انہیں نیچے سبزے سے بھری ہوئی جگہ پر آنا پڑتا تھا۔ یہاں مقامی چرواہوں نے اِن کے لیے ایک جھونپڑا بنا دیا۔ یہ جھونپڑا ایک لحاظ سے تو اچھا تھا لیکن بارش سے زیادہ نہیں بچا سکتا تھا۔ ایک رات سوامی کو اپنے کپڑوں اور اپنی کتابوں پر چھتری تان کر رکھنی پڑی کہ وہ بھیگ نہ جائیں لیکن صاف موسم میں وہ ایک دل کش جگہ تھی اور سوامی رام نے یہ دیکھا کہ مزدور اور دوسرے لوگ اس کے گرد و نواح میں جڑی بوٹیاں جمع کر رہے تھے۔

سوامی رام تیرتھ اس علاقے میں اُگائی جانے والی مکئی کی روٹی کھاتے تھے۔ یہ روٹی چونکہ ان کے معدے کو راس نہیں آتی تھی لہٰذا وہ ایک بار پھر بیمار پڑ گئے۔ انہیں بخار اور اسہال ہو گیا۔ جب نارائن وہاں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ سوامی بہت دبلے ہو گئے تھے۔ ناموزوں غذا نے نارائن

پر بھی اثر کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گروپ نے پانچ میل اوپر چلے جانے کا فیصلہ کیا۔ وہ جگہ اتنی خوب صورت تھی کہ سوامی رام نے اسے "پرستان" کا نام دیا۔ جہاں تک ان کا تعلق تھا وہ اور اوپر چلے گئے لیکن معدے کی تکلیف جاری رہی اور وہ صرف دودھ پینے پر مجبور ہو گئے۔ رام کا ساتھی کبھی کبھی ایک ببر شیر اور ایک اجگر ہوا کرتا تھا لیکن وہ کوئی رخنہ اندازی نہیں کرتے تھے۔ یہاں بھی بارش نے پیچھا نہ چھوڑا۔ ایک دفعہ جب ہفتے بھر مسلسل بارش ہوتی رہی تو انہیں پانی سے بھری ہوئی گپھا میں ہی رہنا پڑا۔ قیام گاہ ایک بار پھر تبدیل ہوئی اور وہ ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں بکریاں چرانے والے رہتے تھے۔ انہوں نے ان کے لیے ایک جھونپڑا تعمیر کر دیا۔

جب چند روز کے بعد پورن سنگھ وہاں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ سوامی رام اپنی شگفتہ مزاجی کھو بیٹھے تھے۔ وہ دبلے اور کمزور تھے اور بعض اوقات چلتے ہوئے پھسل جاتے تھے۔ جب پورن سنگھ نے ان سے پوچھا کہ وہ اداس کیوں تھے اور پہلے کی طرح شاداں و فرحاں کیوں نہیں تھے تو رام نے پورن سنگھ کو یہ بتایا:۔

"دنیا کو صرف میرے پھولوں سے واسطہ ہے۔ اور وہ پھلوں کا ذائقہ چکھتی ہے۔ میں ان کو پھلتا پھولتا نظر آتا ہوں لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ مجھے زیر زمین تاریک گہرائیوں اور جڑوں میں کتنی محنت کرنی پڑتی ہے۔ جو پھولوں اور پھلوں کی خوراک جمع کرتی ہیں۔"

پورن سنگھ یہ بتاتے ہیں کہ اب سوامی دنوں تک ٹانگ پر ٹانگ رکھے بیٹھے رہتے تھے اور ان کو اپنے جسم کا کوئی خیال نہیں تھا۔ وہ کہا کرتے، "کون کہتا ہے کہ دنیا ہے؟ یہ دنیا کبھی نہیں تھی۔ یہ نہیں ہے اور نہیں ہوگی۔" صاف ظاہر تھا کہ ان کے فلسفے کا مطالعہ جس قدر گہرا ہوتا جا رہا تھا اسی قدر وہ زیادہ اداس ہوتے جا رہے تھے۔ وہ پورن سنگھ کی تعریف کرتے تھے کہ اس نے شادی کر لی تھی اور ایک مستحکم زندگی کو فروغ دیا تھا اور پھر انہیں ہر دوار میں اپنی بیوی کی آمد کی یاد آئی اور وہ بول اٹھے "برہمانند کی ماں کا چہرہ کتنا معصوم تھا۔ وہ اس دن بالکل بدلی ہوئی نظر آتی تھی۔" جب وہ آئی تھی تو سوامی رام نے پورن سنگھ سے کہا تھا کہ وہ اسے واپس بھیج دے اور اس ہدایت پر پورن سنگھ بہت خفا ہوا تھا۔ اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے سوامی رام نے اس وقت کہا تھا کہ وہ اپنے اس لباس کا احترام کر رہا تھا جو اس نے پہن رکھا تھا۔

اگرچہ بیوی سے ملنے سے انکار ایک رسمی انکار تھا لیکن وہ اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں کے ساتھ اپنے رشتے کو بھول نہیں سکتے تھے: "روحانی ارتقاء کا مطلب بے حسی نہیں ہوتا۔ درحقیقت یہ روحانی ارتقاء جتنا زیادہ ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ احساس بڑھتا ہے۔" انہوں نے پورن سنگھ سے مزید کہا کہ سنیاسی کے لباس اب آزادی کی علامات نہیں ہیں: "میں جب کہ آنند میدان میں پوری جماعت کے ساتھ جاؤں گا تو میں اس لباس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔" اور جلد ہی انہوں نے واقعی گیروے کپڑے اتار دیئے اور ان کی جگہ پاجامہ، کرتہ اور گہرے بھورے رنگ کی پگڑی پہن لی۔

پورن سنگھ نے سوامی رام میں ایک اور تبدیلی دیکھی۔ سوامی ہمیشہ

کتابیں بہت پڑھا کرتے تھے اور پورن سنگھ اپنے ساتھ کچھ نئی کتابیں لے گیا تھا۔ وہ ان میں سے ایک کتاب اٹھا کر سوامی رام کو دے دیتا تھا لیکن اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی کہ نہ صرف اس کتاب کو پڑھا نہیں جاتا تھا بلکہ وہ زمین پر گر پڑتی تھی۔ ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے تھے اور وہ کہتے "رام اب کچھ بھی نہیں پڑھ سکتا۔"

پورن سنگھ یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ یہ تکان کا نتیجہ تھا یا گہری یکسوئی کا لیکن نارائن نے ضعفِ معدہ اور اس غلط خوراک کو اس کی وجہ قرار دیا جو سوامی رام کھا رہے تھے چوں کہ بد ذائقہ خوراک کی سپلائی کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ نارائن نے سوامی رام سے اصرار کیا کہ وہ کسی اور شہر میں چلے چلیں یا اسے اجازت دیں کہ وہ اچھی اشیار خوردنی مانگ کر لائے یا کسی دوست کے اثر و سوخ سے حاصل کرے۔ اس احتجاج نے سوامی رام کو یہ ترغیب دی کہ وہ نیچے ٹیہڑی چلے جانے کی بات مان جائیں۔ نارائن کو پہلے جانا تھا کہ وہ سوامی جی کی لائبریری کو لے جانے کا انتظام کرے۔ پورن سنگھ کو اپنی چھٹیاں ختم ہو جانے پر اپنی ملازمت پر واپس جانا تھا لہٰذا دونوں نے فیصلہ کیا کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ چلیں گے۔ ستمبر ۱۹۰۶ء میں آشرم سے روانگی کے دن سوامی رام نے پورن سنگھ سے کہا کہ وہ ندی میں انہیں نہلائے۔

"میں نے ان کا ناریل کا پیالہ اور تولیہ اٹھایا اور ندی تک ان کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ وہ کوئی بھی بات خود کرنے سے ہچکچائے۔ میں نے ان کے کپڑے اتارے۔ جب وہ پانی میں چلے گئے تو میں نے اپنے ہاتھوں سے انہیں نہلایا۔ جب ہم جھونپڑے میں واپس آئے تو میرے جانے کا وقت ہو چکا تھا۔ انہوں نے کہا "پورن جی! تم جہاں بھی جاؤ باطنی تجلّی کے سنہرے دیس

میں رہو ـــــ رام نے جو کام شروع کیا ہے اسے جاری رکھو چوں کہ رام کے لیے وقت آگیا ہے کہ وہ خاموش ہو جائے "۔ پورن سنگھ نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ انہیں گدگدا کر بولنے پر مجبور کر دے گا جب وہ اگلی بار آئے گا تو سوامی رام نے کہا:۔ خاموش ہو جانے والے کو دوبارہ بولنے پر کون مجبور کر سکتا ہے ـــــ ؟"

سوامی رام پورن سنگھ کو الوداع کہنے کے لیے پہاڑ کے نیچے دور تک آئے ۔ پورن سنگھ اس جدائی کا ذکر یوں کرتا ہے :۔

" وہ آئے تو انہوں نے کچھ اوڑھ نہیں رکھا تھا ، صرف لنگوٹی باندھ رکھی تھی جس طرح وہ ندی سے باہر آئے تھے ۔ بوندیں پڑنے لگیں اور سوامی رام نے ایسے الفاظ استعمال کیے کہ میرے دل میں خوف کی لہر دوڑ گئی :۔" پورن جی ! تم رام کی حالت دیکھ چکے ہو ـــــ جلد ہی اس کا قلم رک جائے گا اور اس کی زبان گنگ ہو جائے گی ۔ رام شاید اب تم سے ملنے کے لیے نیچے میدان میں نہ جا سکے ۔ تم خود رام بن جاؤ ۔ رام میں ڈوب جاؤ اور پڑھو ، لکھو اور کام کرو ـــــ رام سے کوئی امید نہ رکھو "۔

پورن سنگھ نے جھک کر الوداع کہی تو اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے ۔ سوامی رام اوپر پہاڑ پر اچانک تیزی سے دوڑنے لگے اور انہوں نے پیچھے مڑ کر ایک بھی نظر نہ ڈالی ۔ وہ شاید پورن سنگھ سے اپنے تمام نجی تعلقات توڑ رہے تھے ۔

نارائن کو بھی اس قسم کی رخصت کا تجربہ ہوا اگرچہ یہ واقعہ چند روز

بعد ظہور میں آیا۔ وہ سوامی رام کی لائبریری ٹیہری لانے کے لیے اپنے ساتھ قلی لے گیا۔ وہ ایک ہفتے میں کتابیں لے آیا اور سوامی رام سے پھولوں والے اس مکان میں آملا جہاں مہاراجہ نے ان کو ٹھہرایا تھا لیکن پندرہ روز کے بعد سوامی رام ایک بار پھر گنگا کے کنارے پر کوئی جگہ ڈھونڈنے لگے جہاں وہ ہر موسم میں ٹھہر سکیں۔ انہوں نے وہاں ایک مثلث نما جگہ دیکھی جو کبھی ایک وسیع و عریض آشرم تھی اور ایک جھونپڑا ابھی تک رہنے کے قابل تھا۔ جب مہاراجہ نے یہ خبر سنی تو انہوں نے اپنے پی۔ ڈبلیو۔ ڈی عملے کو وہاں سوامی رام کی ہدایات کے مطابق جھونپڑی تعمیر کرنے کے لیے بھیج دیا۔ مہاراجہ نے جو قدم اٹھایا تھا اس کی اطلاع رام کو ملی تو انہوں نے کہا: "یہ بھگتی کا مجسمہ ہے۔ رام اس علاقے سے کبھی نہیں جائے گا۔ اس کا جسم آخری ایام تک یہاں رہے گا۔"

سوامی جی اب نارائن کے لیے اقامت گاہ کے بارے میں بھی سوچنے لگے۔ ایک گپھا جس میں سوامی رام تھوڑی دیر کے لیے رہ چکے تھے دو میل دور تھی اور نارائن سے کہا گیا کہ وہ وہاں ڈیرہ ڈال دے۔ اپنی کتابیں اور بستر باندھ کر نارائن سوامی رام کے پاس گیا کہ ان سے الوداع کہہ سکے۔ سوامی رام ننگے سر اور ننگے پاؤں اس کے ساتھ ہو لیے۔ تھوڑی دور جا کر سوامی رام نے ایک گہری آہ بھری اور دیر تک اپنے ساتھی کی طرف دیکھتے رہنے کے بعد بولے:۔

"میرے بیٹے! رام بہت جلد خاموش ہو جائے گا۔ اس کا قلم اور اس کی زبان جواب دے جائے گی۔ رام کا جسم دن بہ دن کمزور ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اس کا دماغ اس دنیا سے

اتنا اکتا چکا ہے کہ اب کسی بات میں اسے کوئی دل چسپی نہیں رہی۔ وہ محسوس کر رہا ہے کہ میدان میں واپس نہیں جا سکے گا۔ یہ بات حیرت انگیز نہیں ہوگی اگر رام کا جسم سرگرم نہیں رہے گا۔ وہ اپنی پیاری گنگا کی گود کبھی نہیں چھوڑے گا۔ اگر رام کو کسی تقریب میں شرکت کی دعوت دی جائے تو تم وہاں اس کی نمائندگی کروگے۔ لہٰذا اپنی گپھا میں جاؤ۔ گوشہ نشینی کی مشق کرو۔ ہر لمحہ رام میں گہرا غوطہ لگاؤ اور ویدانت کی تجسیم بن کر باہر نکلو۔ کوئی رنج، کوئی تشویش اور کوئی غم نہ کرو۔ رام کو اپنے ساتھ اور اپنے باطن میں محسوس کرو۔ وہ تمہارا جسم ہے۔ وہ تمہارا دماغ ہے۔ وہ سب کا سب تمہارا ہے۔ وہ تمہارا اپنا آپ ہے۔ گوشہ نشینی سے باہر آ کر رام کی طرح بن جاؤ۔"

نارائن ان الفاظ پر بہت غم زدہ ہوا اور رونے لگا۔ وہ سوامی رام کے قدموں پر گر پڑا۔ سوامی نے اسے اٹھایا اور گلے سے لگا لیا۔ اب سوامی رام آنسو بہا رہے تھے۔ دونوں نے حسرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ اس وقت رام نے اسے اشارہ کیا کہ وہ اپنی گپھا کی طرف چل پڑے اور ہر اتوار کو ان سے ان کے نئے جھونپڑے میں آ کر ملا کرے۔ انہوں نے کہا:-

"دریں اثناء، رام کی جسمانی جدائی کو محسوس نہ کرنا۔ اس کا جسم بہت جلد بے حس ہو جائے گا۔ اس کی خدمت کی بات

نہ سوچنا۔ اپنی ترقی پر اپنی نظریں رکھنا۔ کسی کا سہارا نہ لینا۔
اپنے پیروں پر آپ کھڑے ہونا۔ ویدانت مجسّم بن جانا!
اپنے آپ میں قائم و دائم ہو کر دنیا میں رہنا۔"

نارائن افسردہ بھی تھا اور پریشان بھی۔ ان سب باتوں کا مطلب کیا تھا؟ کیا سوامی رام اپنا جسم چھوڑ رہے تھے یا طویل سمادھی لگا رہے تھے؟ وہ سوامی رام سے اپنی جدائی کے بارے میں اپنی گپھا میں سوچتا رہا۔ پانچ دن کے بعد اسے سوامی رام کا یہ پیغام ملا:۔

"یہ خود مستی، یہ ارتقار کا رشتہ ایک دو دن میں ختم ہو جائے
گا ـــــ اتوار کو آنا ـــــ..."

ایک دن بیچ میں تھا۔ نارائن گرو سے ملاقات کا منتظر تھا۔ اس کے بجائے مہاراجہ کا ایک اردلی سنیچر کی شام کو نمودار ہوا اور وہ یہ پیغام لے کر آیا: "مہاراجہ آپ کو بلا رہے ہیں۔" نارائن نے وجہ پوچھی تو اس شخص نے بتایا: "سوامی جی کو گنگا میا لے گئی ہے۔ مجھے یہ اطلاع دینے کے لیے آپ کے پاس بھیجا گیا ہے۔"

نارائن یہ خبر سن کر دم بخود رہ گیا۔ ٹیہری تک دوڑتا چلا گیا اور وہاں رات کے آٹھ بجے پہنچا۔ سارا شہر موت جیسی خاموشی میں ملفوف تھا اور صفِ ماتم بچھی ہوئی تھی۔ ویدانت کے علمبردار جیسی خود ضبطی سے کام لیتے ہوئے وہ سوامی جی کے رسوئیے کے پاس گیا اور پوچھا کہ سوامی رام کا کیا ہوا؟ رسوئیے سے اسے اس بات کا پتہ چلا:۔

"میں اور سوامی جی ایک ساتھ نہانے کے لیے دریا پر گئے۔

میں ان سے پہلے نہایا۔ میں نے دیکھا کہ وہ ساحل پر پڑے ہوئے ایک پتھر پر ورزش کر رہے تھے۔ پندرہ منٹ کے بعد اپنی مالش کرنے کے بعد وہ پانی میں چلے گئے جہاں پانی کا بہاؤ بہت تیز تھا۔ پانی ان کی گردن تک تھا۔ میں نے ان سے التجا کی کہ وہ آگے نہ جائیں۔ انہوں نے جواب دیا "ڈرو نہیں۔ میں تیرنا جانتا ہوں" انہوں نے غوطہ لگایا چند منٹ کے بعد ایک اور غوطہ لگایا۔ پانی کے بہاؤ نے شاید ان کے قدموں کے نیچے سے پتھر کھسکا دیا تھا۔ وہ پھسل گئے۔ ان کا توازن جاتا رہا اور وہ تیز دھارے پر بہنے لگے۔ تھوڑی دور جا کر وہ شاید بھنور میں پھنس گئے۔ میں نے خوف زدہ ہو کر "مدد — مدد" پکارنا شروع کر دیا لیکن سوامی رام نے مجھے یقین دلایا کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ تیر کر باہر آ جائیں گے۔ انہوں نے جدوجہد کی۔ وہ گرداب سے باہر نکل آئے لیکن پانی کے تیز بہاؤ نے انہیں پھر گرداب میں دھکیل دیا۔ صورتِ حال بہت گمبھیر تھی۔ میں گھبرا گیا۔ مدد کے لیے اِدھر اُدھر دوڑنے لگا لیکن مجھے کوئی بھی نظر نہ آیا۔ بیشتر لوگ مہاراجہ کا خیر مقدم کرنے کے لیے جا چکے تھے جو اپنے دورے کے بعد واپس آ رہے تھے۔ میں نے سوامی جی کو گرداب میں غوطہ لگاتے اور باہر نکلتے دیکھا۔ لیکن وہ اس وقت ندی کے بیچوں بیچ پہنچ چکے تھے جہاں بہاؤ بہت زیادہ تیز تھا۔ ان کا سانس اکھڑنے لگا اور پانی ان کے منہ میں چلا گیا۔ اس پر انھوں نے بلند آواز میں کہا "جاؤ — اپنی ماں کو یاد کرو۔

اگر تمہاری تقدیر میں یہی ہے کہ تمہیں اس طرح جانا ہے تو جاؤ۔"
انہوں نے ایک دوبارہ "اوم" بھی کہا۔ ان کا جسم بہاؤ میں دو سو گز
تک تیرتا رہا اور پھر بھنور نے ان کے جسم کو دور غار تک دھکیل دیا۔
ابھی ان کا جسم غائب ہوا ہی تھا کہ مہاراجہ کے لیے دی جانے والی
توپ کی سلامی کی آواز آئی۔"

اس دن تاریخ تھی ۱۷ ار اکتوبر ۱۹۰۶ء اور وہ دیوالی کا دن تھا۔ گوسائیں برج لال کے مطابق اس کا مطلب یہ تھا کہ سوامی رام تیرتھ نے اپنی عمر کے ۳۳ یا ۳۶ سال پورے کر لیے تھے۔ ایک ہفتے کے بعد ان کی لاش وہاں تیرتی نظر آئی جہاں وہ پانی میں غرق ہوئی تھی۔ ایک عینی شاہد کے مطابق لاش سمادھی کے انداز میں تھی۔ ہاتھ اور ٹانگیں ایک دوسرے پر بندھی ہوئی تھیں۔ ریڑھ کی ہڈی اور گردن سیدھی تھی۔ آنکھیں بند تھیں۔ ہونٹ کھلے تھے جیسے وہ "اوم" گنگنا رہے ہوں۔ ٹیہری ریاست میں تمام دفاتر اس دن بند کر دیئے گئے۔ کفن میں ان کا جسم آخری رسوم ادا کرنے کے لیے عظیم گنگا پر لے جایا گیا۔ ارتھی اس دریا کے سپرد کر دی گئی جس سے ان کو گہری محبت تھی۔

رسوئیے بھولا دت نے اپنے گرو کے آخری ایام کا ذکر کیا ہے۔ سوامی لکھنے میں مصروف رہتے تھے۔ ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ بھولا چند منٹ تک کھڑا رہا۔ سوامی نے اسے نہ دیکھا۔ وہ سوامی جی کے پاس یہ کہنے گیا تھا کہ صبح کے گیارہ بجے تھے اور ان کا کھانا تیار تھا لیکن سوامی رام کی آنکھیں بند تھیں۔ پہلے پنسل اور پھر کاغذ زمین پر گر پڑا۔ چند منٹ تک

انتظار کرنے کے بعد اس نے دبی زبان میں کہا "مہاراج! آپ کا کھانا تیار ہے۔" وہ چوں کہ خود بھوک محسوس کر رہا تھا اس لیے اس نے چند منٹ کے بعد وہ الفاظ پھر دوہرائے اور اس دفعہ ذرا بلند آواز سے۔ سوامی رام نے آنکھیں کھولیں اور پوچھا کہ کیا بات تھی۔ بھولے نے وقت کا ذکر کیا اور پوچھا کہ سوامی جی کے نہانے کے لیے وہ پانی لائے یا وہ دریا پر جا کر نہائیں گے؟ چند روز پہلے سے وہ پانی منگوایا کرتے تھے چوں کہ گر پڑنے سے ان کے ایک گھٹنے میں درد تھا۔ یہ چوٹ انہیں ورزش کرتے ہوئے لگی تھی۔ سوامی رام کے پوچھنے پر کہ کیا بھولے نے کھانا کھا لیا تھا بھولے نے جواب دیا کہ آج چونکہ دیوالی کا دن ہے وہ نہا کر کھانا کھائے گا۔ اس روز چوں کہ اماوس سنگرانت (وکرمی مہینے کا پہلا دن) تھی سوامی نے بھی گنگا میں نہانے کا فیصلہ کیا لیکن کوئی یہ نہیں جانتا تھا کہ یہ ان کا آخری نہانا ہوگا۔

اگر کیا وہ جانتے تھے؟ لوگوں نے سوامی جی کے انجام کے بارے میں بہت سی قیاس آرائیاں کی ہیں۔ کیا ان کی موت اتفاقیہ تھی یا سوچی سمجھی تھی؟ حادثہ اور خودکشی کے ماننے والے بھی موجود ہیں۔ چند لوگ اس مضمون میں جو انھوں نے اس غسلِ مرگ سے پہلے لکھا تھا یہ پڑھتے ہیں کہ انھوں نے جان بوجھ کر ایسا کیا۔ یہ مضمون موت کو ایک قسم کا بلاوا تھا جس سے کہا گیا تھا کہ وہ آئے اور ان کے جسم کو ختم کر دے کیونکہ استعمال کے لیے میرے پاس بہت سے جسم ہیں۔"

پورن سنگھ نے اس بات پر یقین نہ کیا کہ سوامی رام ان الفاظ میں کس طرح اپنی موت کی پیش گوئی کر رہے تھے۔ سوامی کا یہ عام اسلوب تھا۔

لیکن اگر یہ اتفاق تھا تو یہ واقعی ایک حیرت انگیز بات تھی۔ ہم اس سلسلے میں ان کے پران تیاگ دینے کے متعلق ان کے متعدد حوالوں کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ وہ اس بارے میں پورن سنگھ اور نارائن سوامی سے بات کہہ چکے تھے۔ ان کی امریکی چیلی مسز ویل مین کا بھی یہی خیال تھا۔ ہندوستان کا دورہ کرنے کے بعد وہ ویاس آشرم میں سوامی رام سے ملنے گئی۔ اس وقت سورج ڈوبنے والا تھا۔ وہ ان سے الوداع کہنے کے لیے تیار ہو چکی تھی۔ سوامی رام نے کہا "خدا حافظ! اُدھر دیکھو سورج ڈوب رہا ہے ــــ وہ رام ہے۔"

مسز ویل مان نے سرد آہ بھری اور اپنے آپ سے کہا "ہندوستان ان سے محروم ہو چکا ہے۔ سوامی رام اب پہاڑوں سے واپس نہیں آئیں گے بات ہی ختم ہو چکی ہے۔" آنے والے مہینوں میں موت کا خیال ان پر طاری رہا۔ ان کا ذہن نڈھال ہو چکا تھا۔ ان پر شدید حزن و یاس مسلط ہو چکے تھے۔ جو لوگ ان کے ارد گرد موجود تھے وہ اس کا سبب نہیں جانتے تھے لہٰذا انہوں نے اس حزن و یاس کو دور کرنے کی کوشش نہ کی۔

نارائن سوامی اپنی ہی رائے رکھتے ہیں۔ ان کے کہنے کے مطابق سوامی رام کا جسم چوں کہ کمزور ہو چکا تھا اور کوئی مفید مقصد پورا نہیں کر سکتا تھا اس لیے انہوں نے اس جسم کو گنگا کے سپرد کر دیا۔ دوسرا خیال یہ ہے کہ سوامی رام کا دل خود آگہی کی راحت سے اتنا بھرپور ہو چکا تھا کہ جسم کے ساتھ گزر اوقات کرنا ان کے لیے ناقابلِ برداشت بوجھ بن گیا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے موت کو دعوت دی کہ وہ ان کے جسم کو فنا کر دے ــــ

اس کے برعکس ہمارے پاس رسوئیے کی اطلاع موجود ہے کہ سوامی رام نے تیز بہاؤ کے خلاف دلیری سے جدوجہد کی اور انہوں نے اس جدوجہد کو اس وقت ترک کیا جب انہیں معلوم ہوگیا کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

سوامی رام تیرتھ کی تحریریں ایسے جملے ملتے ہیں جو خودکشی کے نظریے کی حمایت بھی کرتے ہیں اور مخالفت بھی۔ انہوں نے کہیں لکھا ہے:۔

"خودکشی زندگی کے مسئلے کو حل نہیں کرسکتی۔ کیا اسکول کا طالب علم سلیٹ پر سے وہ رقم مٹاکر ریاضی میں ترقی کرسکتا ہے جسے وہ حل نہیں کرسکتا؟"

لیکن اس کے برعکس ان کی آخری تحریریں موت کو دعوت یہ ظاہر کرتی ہے کہ ان کا انجام ان کے ذہن میں موجود تھا۔ ۱۸۹۸ء میں آٹھ سال پہلے انہوں نے دھنا مل کو لکھا تھا:۔

"مردے کی ہڈیاں گنگا میں پھینکی جاتی ہیں۔ پھر زندہ جسم گنگا میں کیوں نہ پھینک دیا جائے؟"

۱۹۰۵ء میں انہوں نے مسز ویل مین کو بتایا تھا" کیا ہماری سب باتوں کا خاتمہ نہیں ہوچکا ہے؟" بیک وقت انہیں یہ یقین تھا کہ وہ اپنی مرضی سے اپنی موت بُلا سکتے ہیں۔ اس بات کو ثابت کرنے کے لیے حسبِ ذیل اقتباسات پیش کیے جاسکتے ہیں۔

"رام کے حکم کے بغیر موت بھی سانس نہیں لے سکتی"۔

"رام مر نہیں سکتا جب تک کہ وہ خود مرنے کا فیصلہ نہ کرے"۔

ان دعووں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے حادثے کا نظریہ غالباً صحیح ثابت ہوتا ہے۔ دریا کی تہہ میں سوامی رام کا پاؤں اتفاقیہ طور پر پھسل گیا اور اس حقیقت کا اضافہ کیا جا سکتا ہے کہ ان کی صحت خراب تھی اور ان کے گھٹنے میں چوٹ لگی ہوئی تھی۔ ابتدائی مہینوں میں بخار اور طویل ضعفِ معدہ کے باعث وہ علیل رہے تھے۔ اس سے ان کی توانائی ختم ہو چکی تھی اور وہ بہت دبلے اور کمزور ہو گئے تھے۔ اگر ان کی جسمانی صحت ٹھیک ہوتی تو وہ اتفاقیہ طور پر پھسلنے کے بعد اپنا توازن بحال کر لیتے۔ گھٹنے میں درد کے باعث ان کا اٹھنا دشوار ہو چکا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کیوں تیز بہاؤ کی کافی مزاحمت نہ کر سکے۔ بہر کیف انہوں نے اپنے آپ کو بچانے کی بہت کوشش کی۔ صرف اس وقت جب ان کو معلوم ہوا کہ حالات ان کے بہت خلاف تھے، انہوں نے خدا کی رضا کے آگے سر جھکا دینے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے اپنے آپ کو موت کے سپرد کر دیا لیکن سمادھی کا انداز اختیار کرنے جوان کے لیے عام بات تھی اور اوم گنگنانے سے پہلے نہیں۔ اس لحاظ سے اور اس حد تک موت نے ان کی ہدایات اور احکام کی تعمیل کی۔

نواں باب

سوامی رام کی اخلاقی حکایات

سوامی رام تیرتھ کو ایک مقرر کی حیثیت سے جو بے پناہ مقبولیت حاصل تھی اس کا ایک عنصر یہ تھا کہ ان کا موضوعِ فکر و خیال اور اظہار و بیان سادہ ہوتا تھا۔ وہ ایک ایسے انداز میں بولتے تھے کہ سامعین ان کی بات آسانی سے سمجھ لیتے تھے۔ وہ اپنے نکات کو قصّوں، کہانیوں اور اخلاقی حکایات کی مثالیں دے کر واضح کیا کرتے تھے۔ وہ جس خیال کا اظہار کرنا چاہتے تھے بعض اوقات وہ دقیق اور پیچیدہ ہوا کرتا تھا لیکن وہ اخلاقی حکایات کی مدد سے اسے ایسا بنا دیتے تھے کہ آسانی سے سمجھ میں آسکے اور وہ اخلاقی حکایات اس خیال کی اہمیت کو نمایاں کر دیتی تھیں۔ ہم اس ثروت مند خزانہ میں سے جو اُن کی متعدد کتابوں میں بھرا پڑا ہے یہ چند مثالی کہانیاں منتخب کر رہے ہیں۔

محبّت کا قانون

شکار کھیلنے کی مہم کے دوران ایک بادشاہ اپنے ساتھیوں سے بچھڑ گیا۔ اسے بہت پیاس لگ رہی تھی۔ وہ ایک باغ میں داخل ہوا اور اس نے مالی سے کچھ پینے کے لیے مانگا۔ مالی جو اپنے مہمان کو پہچان نہیں سکا تھا، بہت جلد پھلوں کے رس کا ایک پیالہ لے آیا۔ بادشاہ اسے غٹا غٹ پی گیا اور پھر کچھ اور مانگا۔ مالی چلا گیا تو بادشاہ سوچنے لگا کہ اس باغ کا مالک بظاہر بہت خوش حال نظر آتا ہے۔ بہر صورت اس کے پاس پھلوں کے اچھے پیڑ ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ ایک دو منٹ میں ہی پھلوں کے رس سے بھرا ہوا گلاس لے آیا۔ اس باغ کے مالک پر بڑی آسانی سے کافی ٹیکس لگایا جا سکتا ہے۔

اس دفعہ مالی نے واپس آنے میں دیر لگادی اور بادشاہ سوچنے لگا کہ معاملہ کیا تھا۔ آخر کار جب مالی واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں پیالہ پہلے جتنا بھرا ہوا نہیں تھا۔ بادشاہ یہ جاننا چاہتا تھا کہ مالی نے دیر کیوں لگادی اور پیالہ پورا بھرا ہوا کیوں نہیں تھا۔ مالی نے جواب میں کہا کہ جب میں آپ کے لیے پہلا پیالہ لانے کے لیے گیا تھا تو اس وقت ہمارا حکمران ہماری جانب نیک ارادے رکھتا تھا لیکن جب میں دوسری بار گیا تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کا رویّہ تبدیل ہو گیا اور ہماری جانب بُرا ہو گیا۔ اس کے علاوہ میں پھلوں کے رس میں کمی کی کوئی اور وجہ بیان نہیں کر سکتا۔ بادشاہ

جانتا تھا کہ مالی جو کچھ کہہ رہا تھا صحیح تھا۔ جب وہ باغ میں داخل ہوا تھا تو باغ میں رہنے والے لوگوں کی جانب اس کی نیت اچھی تھی مگر بعد میں اس کا ارادہ تبدیل ہو گیا تھا۔ وہ چوں کہ قدرت سے ہم آہنگ نہیں رہا تھا اس لیے پھلوں پر بُرا اثر پڑا تھا۔

جب تک ہم قدرت سے ہم آہنگ رہتے ہیں اور کائنات میں موجود تمام چیزوں اور تمام وجودوں سے اپنی وحدت کو سمجھتے ہیں ہمارا ماحول اور حالات سازگار رہیں گے لیکن جس لمحے ہم بے آہنگی کا شکار ہو جائیں گے ہمارے احباب اور ہمارے رشتے دار ہمارے مخالف بن جائیں گے۔ درحقیقت ساری دنیا ہماری دشمن ہو جائے گی۔

وحدت کا احساس

بھگوان کرشن نے ایک دفعہ ایک بڑی ضیافت کا اہتمام کیا۔ سب کو دعوت نامے بھیجے گئے۔ لیکن جن لوگوں کو مدعو کیا گیا تھا ان میں ان کی محبوبہ رادھا کا نام نہیں تھا۔ بھگوان کرشن کے وزیراعظم نے یہ مشورہ دیا کہ رادھا کو بھی دعوت نامہ بھجوانا چاہیئے لیکن مالک نے اس کی بات نہ سنی۔ بہرکیف وزیر نے بھگوان کرشن کی بات کی پروا نہ کی اور وہ رادھا کے پاس گیا اور اسے مجوزہ ضیافت کی اطلاع دی۔

رادھا نے اس سے کہا:

"جب آپ ضیافت کرتے ہیں تو آپ اپنے دوستوں، اپنی جان پہچان کے لوگوں اور ان لوگوں کو دعوت نامے بھجواتے

ہیں جن کے بارے میں آپ یہ چاہتے ہیں کہ وہ ضیافت میں شریک ہوں، لیکن آپ اپنے آپ کو دعوت نہیں دیتے۔ بتائیے، کیا خود کو بھی بلاتے ہیں؟ میں جانتی ہوں کہ کرشن نے ضیافت کا اہتمام کیا ہے۔ مجھے دعوت نامے کی ضرورت نہیں۔ ہم ایک ہیں!"

وقت اور جگہ کی ضرورت

ایک دفعہ ایک شخص ڈاکٹر سیموئل جانسن کے پاس آیا اور کہنے لگا" میں مرگیا ___ مرگیا ___ !" ڈاکٹر نے اس کی شکایت کی وجہ پوچھی تو اس شخص نے یوں اپنی بات کا اظہار کیا:

" آدمی اس دنیا میں زیادہ سے زیادہ سو سال تک زندہ رہتا ہے اور یہ مدت ابدیت کے مقابلے میں بھلا کیا ہے ___ ؟ آدمی کی تقریباً نصف عمر سونے میں بیت جاتی ہے۔ ہمارا بچپن اور بڑھاپا بھی ایک لمبی نیند ہے۔ ہماری جوانی لہو ولعب میں گزر جاتی ہے۔ شکار اور کھیل میں بھی ہمارا کافی وقت ضائع ہو جاتا ہے۔ ہمارا روزمرہ کا دستور العمل یعنی کھانا، پینا اور نہانا، دھونا بھی کافی وقت لے جاتا ہے۔ پھر پریشانیوں اور زندگی کے مصائب کا مقابلہ کرنے میں وقت صرف ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ بچوں، رشتے داروں اور دوستوں کی دیکھ ریکھ میں وقت صرف ہوتا ہے۔ جو لوگ مر جاتے ہیں ان کے لیے ہم رنجیدہ ہوتے ہیں اور نئے پیدا ہونے والے بچوں پر

خوش ہوتے ہیں۔ انسان کو چوں کہ ان مصروفیات اور دیگر
کاموں پر وقت صرف کرنا پڑتا ہے اس لیے روحانی امور اور
خدا کی جانب کیسے راغب ہو سکتا ہے؟ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم
گرجا گھروں، مندروں، پجاریوں اور مبلغوں کا خاتمہ کر دیں۔"

ڈاکٹر جانسن نے ساری بات سننے کے بعد خود بھی کراہنا اور رونا شروع کر دیا۔ انہوں نے اپنے ساتھی سے کہا:

"انسانوں کو چاہیے کہ وہ خودکشی کر لیں چوں کہ روحانی امور کے
لیے ان کے پاس وقت نہیں ہے لیکن میں آپ کی شکایت میں
اپنی ایک شکایت کا اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔ میں یہ دیکھ رہا ہوں
کہ میرے لیے خوراک اگانے والی زمین باقی نہیں بچی ہے۔ میں
مرا جا رہا ہوں ـــــ مرا جا رہا ہوں۔"

دوسرا شخص ڈاکٹر جانسن کی شکایت کا مفہوم نہ سمجھ سکا چوں کہ اس کا یہ یقین تھا کہ ہر کسی کو خوراک مہیا کرنے کے لیے زمین بہت کافی ہے۔ اس وقت ڈاکٹر نے اپنی بات کی وضاحت کی:

"دیکھیے ـــــ ہماری یہ زمین دیگر اجرامِ فلکی کے مقابلے میں
صرف ایک نقطہ ہے۔ اس پر طرہ یہ ہے کہ ہمارے کرۂ ارض
کا تین چوتھائی حصہ ساگروں اور مہا ساگروں پر مشتمل ہے۔ پھر
پہاڑ ہیں، جھیلیں ہیں، صحرا ہیں اور ٹیلے ہیں۔ قصبے اور شہر زمین
کی ٹھوس سطح کا وافر حصہ گھیرے ہوئے ہیں۔ اتنا رقبہ ضائع
ہو جانے کے بعد انسان کے لیے رہ کیا جاتا ہے؟ اور جو رقبہ
باقی بچ رہتا ہے اس میں اربوں جانور، پرندے، سانپ،

چیونٹیاں اور دیگر کیڑے ہیں جن کو خوراک ملنی چاہیئے۔ انسان کے حصے میں جو خوراک آتی ہے وہ بہت ہی کم ہے۔ ہمارے کرۂ ارض پر ان گنت لوگ ہیں۔ مجھ جیسے فرد کو کتنا رقبہ میسّر آنا چاہیئے ؟ میری منطق مجھے اس نتیجے پر پہنچاتی ہے کہ مجھے خود کشی کر لینی چاہیئے ، چوں کہ میرے لیے خوراک پیدا کرنے والی زمین ہی نہیں ہے۔"

دوسرے شخص نے کہا کہ ڈاکٹر کی منطق دل کو تو لگتی ہے مگر درست نہیں۔ ڈاکٹر جانسن نے جواب دیا " اس صورت میں آپ کی شکایت بھی اتنی ہی بے بنیاد ہے۔ اگر زمین مجھے خوراک دے سکتی ہے تو روحانی ضروریات پر توجہ دینے کے لیے وافر وقت بھی مل سکتا ہے۔"

احمقانہ خوشی

ایک شخص کو دیکھا گیا کہ وہ مندر میں مٹھائیاں بانٹ رہا تھا۔ کسی نے اس سے پوچھا کہ اس خوشی کا کیا سبب تھا؟ اس شخص نے کہا کہ اس کا گھوڑا گم ہو گیا ہے۔ اس کے جواب پر بڑی حیرت کا اظہار کیا گیا۔ اس کا گھوڑا گم ہو گیا تھا اور وہ اپنے اس نقصان پر خوشی منا رہا تھا۔ اس وقت اس شخص نے یہ حقائق بیان کیے :

" میں گھوڑا ہاتھ سے کھو بیٹھا ہوں مگر میں نے گھوڑ سوار کو بچا لیا ہے۔ رہزنوں کا ایک گروہ میرا گھوڑا لے گیا ہے۔ میں اس وقت گھوڑے پر سوار نہیں تھا ورنہ وہ مجھے بھی لے جاتے۔"

آئیے ہم یہ دیکھیں کہ کیا ہم اس شخص کی طرح حرکت تو نہیں کر رہے ہیں یا

اس سے بھی بری حرکت تو نہیں کر رہے ہیں۔ ہم میں ہزاروں ایسے ہیں جو گھوڑے کو پچکار رہے ہیں اور گھوڑ سوار سے ہاتھ دھو رہے ہیں۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ حقیقی روح یا شعورِ ذات جسم سے وہی تعلق رکھتے ہیں جو گھوڑے سے گھوڑ سوار کا ہوتا ہے۔ اگر ہم کسی شخص سے اس کا اتا پتہ پوچھیں یا یہ پوچھیں کہ اس کی اصل فطرت کیا ہے تو اس کا جواب ہوگا "میں فلاں ہوں اور فلاں دفتر میں کام کرتا ہوں"۔ یہ تمام جوابات جو صرف مجموعی جسم سے تعلق رکھتے ہیں، غیر متعلقہ ہیں۔ سوال تو شعورِ ذات اور گھوڑ سوار کے بارے میں ہے اور جواب گھوڑے کے بارے میں دیا جا رہا ہے۔ کیا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم گھوڑے ہی کو گھوڑ سوار سمجھ رہے ہیں؟

بھاری بیہودگی

گاؤں کے کھلنڈرے نوجوانوں نے یہ سوچا کہ گاؤں میں رہنے والے نیم پاگل ساتھی کا مذاق اڑایا جائے۔ انہوں نے پہلے اسے نشے میں چور کر دیا اور پھر اسے اس کے ایک گہرے اور قابلِ اعتماد ساتھی کے پاس بھیج دیا۔ بدمست نوجوان کو دیکھ کر وہ شخص رونے چیخنے لگا اور اس نے کہا "میں ابھی ابھی تمہارے گھر سے آ رہا ہوں۔ وہاں جا کر مجھے پتہ چلا کہ تمہاری بیوی بیوہ ہو گئی ہے ——" یہ کہہ کر وہ پھر رونے لگا اور اس کے دوسرے دوست بھی اس کے ساتھ رونے لگے۔ جب چند اور ساتھی وہاں آ گئے تو انہوں نے پوچھا کہ اس رنج والم کی وجہ کیا تھی۔ نیم پاگل شخص نے جواب دیا "میں رو رہا ہوں چونکہ میری بیوی بیوہ ہو چکی ہے"۔ انہوں نے

کہا یہ کیوں کر ہو سکتا ہے چوں کہ وہ تو صحیح وسلامت اور خوش وخرم تھا لیکن اس سے نیم پاگل کی تشفی نہ ہوئی اور اس نے کہا "تم نہیں سمجھتے۔ یہ میرا قابل اعتماد دوست ہے اور میرے گھر سے چلا آرہا ہے۔ یہ کہتا ہے کہ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ میری بیوی بیوہ ہو چکی ہے۔ میں تم پر کیسے اعتبار کروں ؟"

اس قسم کی حماقت کو بیشتر فرقے اور مذاہب اور تمام فضول اور فیشن ایبل لوگ مستقل بنا رہے ہیں۔ وہ اپنی آنکھیں اور اپنا دماغ استعمال نہیں کرتے بلکہ ہمیشہ سنی سنائی بات پر یقین کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں چاہے وہ بات کتنی ہی بیہودہ کیوں نہ ہو۔ ہمارے باطن میں ہماری آتما، ہمارا حقیقی شعورِ نفس، تجلیوں کی تجلی اور خداؤں کا خدا موجود ہے جو ہمیشہ موجود اور زندہ رہتا ہے لیکن ہم پھر بھی روتے ہیں اور آنسو بہاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں "مجھے کب خوشی نصیب ہوگی ؟" ہم خدا کو پکارتے ہیں کہ وہ آئے اور ہمیں اپنی مشکلات سے نکلنے میں مدد دے جب کہ عظیم مددگار ہمارے اندر موجود ہے۔

اپنے آپ پر بھروسہ

دو بھائیوں کا آپس میں مقدمہ چل رہا تھا اور وہ جج کے روبرو پیش ہوئے۔ ان میں سے ایک لکھ پتی تھا اور دوسرا کنگال۔ جج نے فارغ البال مقدمے باز سے پوچھا کہ وہ اتنا امیر کیسے بن گیا اور اس کا بھائی غریب کیوں رہا ؟ اس شخص نے جواب دیا "پانچ سال ہوئے ہم دونوں کو باپ سے ورثے میں مساوی جائیداد ملی۔ یہ شخص اپنے آپ کو دولت مند سمجھ کر سست و کاہل ہو گیا۔ جب کوئی کام کرنا ہوتا تو یہ اپنے نوکروں سے کہتا کہ جاؤ اور وہ

اس سے بھی بری حرکت تو نہیں کر رہے ہیں ۔ ہم میں ہزاروں ایسے ہیں جو گھوڑے کو پچکار رہے ہیں اور گھوڑ سوار سے ہاتھ دھو رہے ہیں ۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ حقیقی روح یا شعورِ ذات جسم سے وہی تعلق رکھتے ہیں جو گھوڑے سے گھوڑ سوار کا ہوتا ہے ۔ اگر ہم کسی شخص سے اس کا اتا پتہ پوچھیں یا یہ پوچھیں کہ اس کی اصل فطرت کیا ہے تو اس کا جواب ہوگا " میں فلاں ہوں اور فلاں دفتر میں کام کرتا ہوں "۔ یہ تمام جوابات جو صرف مجموعی جسم سے تعلق رکھتے ہیں، غیر متعلقہ ہیں ۔ سوال تو شعورِ ذات اور گھوڑ سوار کے بارے میں ہے اور جواب گھوڑے کے بارے میں دیا جا رہا ہے ۔ کیا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم گھوڑے ہی کو گھوڑ سوار سمجھ رہے ہیں ؟

بھاری بیہودگی

گاؤں کے کھلنڈرے نوجوانوں نے یہ سوچا کہ گاؤں میں رہنے والے نیم پاگل ساتھی کا مذاق اڑایا جائے ۔ انہوں نے پہلے اسے نشے میں چور کر دیا اور پھر اسے اس کے ایک گہرے اور قابلِ اعتماد ساتھی کے پاس بھیج دیا ۔ بدمست نوجوان کو دیکھ کر وہ شخص رونے چیخنے لگا اور اس نے کہا " میں ابھی ابھی تمہارے گھر سے آ رہا ہوں ۔ وہاں جا کر مجھے پتہ چلا کہ تمہاری بیوی بیوہ ہو گئی ہے ——" یہ کہہ کر وہ پھر رونے لگا اور اس کے دوسرے دوست بھی اس کے ساتھ رونے لگے ۔ جب چند اور ساتھی وہاں آ گئے تو انہوں نے پوچھا کہ اس رنج و الم کی وجہ کیا تھی ۔ نیم پاگل شخص نے جواب دیا " میں رو رہا ہوں چونکہ میری بیوی بیوہ ہو چکی ہے "۔ انہوں نے

کہا یہ کیوں کر ہو سکتا ہے چوں کہ وہ تو صحیح وسلامت اور خوش و خرم تھا لیکن اس سے نیم پاگل کی تشفی نہ ہوئی اور اس نے کہا "تم نہیں سمجھتے۔ یہ میرا قابل اعتماد دوست ہے اور میرے گھر سے چلا آرہا ہے۔ یہ کہتا ہے کہ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ میری بیوی بیوہ ہو چکی ہے۔ میں تم پر کیسے اعتبار کروں ؟"

اس قسم کی حماقت کو بیشتر فرقے اور مذاہب اور تمام فضول اور فیشن ایبل لوگ مستقل بنا رہے ہیں۔ وہ اپنی آنکھیں اور اپنا دماغ استعمال نہیں کرتے بلکہ ہمیشہ سنی سنائی بات پر یقین کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں چاہے وہ بات کتنی ہی بیہودہ کیوں نہ ہو۔ ہمارے باطن میں ہماری آتما، ہمارا حقیقی شعورِ نفس، تجلیوں کی تجلی اور خداؤں کا خدا موجود ہے جو ہمیشہ موجود اور زندہ رہتا ہے لیکن ہم پھر بھی روتے ہیں اور آنسو بہاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں "مجھے کب خوشی نصیب ہوگی ؟" ہم خدا کو پکارتے ہیں کہ وہ آئے اور ہمیں اپنی مشکلات سے نکلنے میں مدد دے جب کہ عظیم مددگار ہمارے اندر موجود ہے۔

اپنے آپ پر بھروسہ

دو بھائیوں کا آپس میں مقدمہ چل رہا تھا اور وہ جج کے روبرو پیش ہوئے۔ ان میں سے ایک لکھ پتی تھا اور دوسرا کنگال۔ جج نے فارغ البال مقدمے باز سے پوچھا کہ وہ اتنا امیر کیسے بن گیا اور اس کا بھائی غریب کیوں رہا ؟ اس شخص نے جواب دیا "پانچ سال ہوئے ہم دونوں کو باپ سے ورثے میں مساوی جائیداد ملی۔ یہ شخص اپنے آپ کو دولت مند سمجھ کر سُست و کاہل ہو گیا۔ جب کوئی کام کرنا ہوتا تو یہ اپنے نوکروں سے کہتا کہ جاؤ اور وہ

کام کر دو، اور یہ خود آرام و آسائش میں اپنا وقت ضائع کرتا۔ جہاں تک میرا تعلق ہے، جب مجھے جائیداد ملی تو میں نجی طور پر اس کی دیکھ بھال کرنے لگا۔ میں اپنے نوکروں سے کہا کرتا "آؤ یہ کام کریں!" میرے لبوں پر یہ الفاظ ہوتے تھے "آؤ، آؤ" اور میرے بھائی کے لبوں پر یہ الفاظ ہوتے تھے "جاؤ، جاؤ"۔ اس کے پاس جو کچھ بھی تھا اس نے اس کا حکم مانا۔ اس کے نوکر، اس کے دوست اور اس کی جائیداد اسے چھوڑ کر چلے گئے لیکن میرا قول چوں کہ مختلف تھا میرے دوستوں اور میری دولت میں اضافہ ہو گیا ہے۔"

کامیابی کا یہی راز ہے۔ جب ہم دوسروں پر بھروسہ کرتے ہیں تو ہم نقصان اٹھاتے ہیں۔ جب ہم اپنے آپ پر بھروسہ کرتے ہیں تو فائدہ ہوتا ہے۔ اپنی آتما پر بھروسہ کرنے سے سب چیزیں ہمارے گرد جمع ہو جاتی ہیں۔ اگر ہم اپنے آپ کو گرا دیتے ہیں اور اپنے بارے میں گھٹیا طریقے سے سوچتے ہیں تو ہم برباد ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر ہم اپنی عزت کرتے ہیں اور اپنے آپ پر بھروسہ کرنا سیکھتے ہیں تو ہم فتح حاصل کرتے ہیں۔

آفتابِ زندگی

(سان فرانسسکو میں سوامی رام کی تقریریں سے ماخوذ)

ہمالیہ کے برفانی تودے تابندہ و خوب صورت اور ولولہ انگیز ہیں۔ ان پر نہ کوئی جانور اور نہ نباتات کی زندگی ہے۔ ہم ان برفانی تودوں پر چشمۂ حیات دیکھتے ہیں اور سورج ان میں دریا کے وجود کا بیج ہے۔

ان کے نیچے برف سے ڈھکے ہوئے پہاڑ ہم سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ ہم جنگلی گلاب کی جھاڑیوں میں گھومتے ہیں اور پرندے ان میں پھدک رہے ہوتے ہیں۔ جہاں گنگا پُرپیچ راستہ اختیار کر لیتی ہے اور چٹانوں میں اٹھلاتی ہوئی چلتی ہے۔ یہ دریا کی زندگی کا دوسرا مرحلہ ہے۔ یہاں گنگا اپنے لطیف وجود میں ہے۔

لطیف وجود بیج کے وجود سے پیدا ہوتا ہے۔ بیج پر سورج کا عمل لطیف وجود کو تغیّر پذیر اور پُر پیچ بنا دیتا ہے۔ تیزی اور عظیم تندی سے لمبی چھلانگیں لگانے کے بعد دریا ایک پُرسکون جھیل میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

میدانوں میں گنگا ایک طاقت ور ندی بن جاتی ہے۔ وہ اپنا اصل شفّاف پن اور اپنا نرمل پن ترک کر دیتی ہے۔ یہ پھول جاتی ہے اور کیچڑ سے بھر جاتی ہے۔ اس کی رفتار کم ہو جاتی ہے لیکن اس کی افادیت بڑھ جاتی ہے۔ اس کی سطح پر کشتیاں اور جہاز چلتے ہیں۔ وہ سامان لے جاتے ہیں۔ دریا میں سے آبپاشی کے لیے نہریں کاٹی جاتی ہیں اور لوگ اس کے پانی میں نہاتے ہیں۔ یہ دریا کی زندگی کا تیسرا مرحلہ ہے جب کہ وہ ایک مجموعی وجود اختیار کرتا ہے۔ لیکن سورج ابھی تک متحرک قوت فراہم کرتا ہے۔

اب ہم اس استعارے یا مثال کا اطلاق انسان کی زندگی پر کریں گے۔ نیند میں انسان حقیقی شعورِ نفس یا آتما کے نیچے چت لیٹتا ہے جس طرح برفانی تودوں پر سورج چمک رہا ہوتا ہے۔ دنیا اس وقت موجود نہیں ہوتی صرف خوابوں کی سرزمین موجود ہوتی ہے۔ گہری نیند میں ہم خواب نہیں دیکھتے۔ ویدانت

کے مطابق یہ عدم برفانی تودوں کی طرح ہے اور درخشاں آتما سورج کی طرح ہے۔ اس سے ہماری بیداری اور خواب دیکھنے کی حالت پیدا ہوتی ہے۔

خوابوں کی دنیا میں ہم برفانی تودوں سے نچلی پہاڑیوں کی طرف بڑھتے ہیں۔ یہاں خواب دیکھنے والی آتما تصورات کی دنیا ہوتی ہے۔ یہ ابھی بادشاہ ہوتی ہے اور ابھی فقیر۔ پہاڑی ندی کی طرح تغیر پذیر ہوتی ہے۔

اپنی بیداری کی حالت میں ہم مجموعی وجود بن جاتے ہیں۔ میدان میں ایک دریا کی طرح لیکن لطیف وجود (من) نمودار نہیں ہوتا۔ موسم سرما میں (رات کی طرح) دریا اپنا مجموعی وجود ترک کر دیتا ہے اور صرف لطیف وجود کو برقرار رکھتا ہے۔ برفانی تودوں پر آفتاب کی صورت نظر نہیں آتی بلکہ بعد میں نمودار ہوتی ہے۔

جب ہم گہری نیند کی حالت میں ہوتے ہیں تو وہی خدا ہمارے باطن میں موجود ہوتا ہے لیکن بیداری کی حالت میں حالات مختلف ہوتے ہیں۔ حقیقی شعورِ نفس یا آتما اسی طرح تین وجودوں پر چمکتی ہے جس طرح سورج دریا کے تین وجودوں پر چمکتا ہے۔ وہ بجائے خود قدیم اور غیر متغیر ہے۔

دسواں باب

تخلیقات اور تصوّرات

تقریباً تیس سالوں میں جب کہ سوامی رام تیرتھ گوشت پوست کے قالب میں رہے وہ اپنے لوگوں کے لیے ایک عظیم روحانی ورثہ چھوڑ گئے ۔ اپنی زندگی کے دوران انھوں نے ہزاروں لوگوں یعنی نوجوانوں ، بوڑھوں ، مردوں اور عورتوں کو اپنی تقریروں سے متاثر کیا اور اس بات میں ذرّہ بھر شک نہیں ہے کہ انہوں نے جو کچھ سنا اس سے ان کا بھلا ہوا ۔ بہر کیف سوامی رام اپنی تحریروں کا وافر حجم رکھتے ہیں ۔ جب وہ وفات پا گئے تو ان کے چیلوں کو ان کے کاغذات میں گیارہ کاپیاں ملیں جن میں ان کے وہ خیالات تھے جن کا زیادہ تر اظہار انگریزی میں کیا گیا تھا ۔ پھر ان کے ان لیکچروں کی نقلیں اور ان کے طبعِ ثانی والے مسودے تھے جو انہوں نے جاپان اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں دیے تھے ۔ پہلے پندرہ روزہ رسالہ "الف" لاہور سے شائع ہوا تھا اور اس میں اردو کے مضامین ہوتے تھے ۔ جیسا کہ پہلے ذکر

کیا جا چکا ہے نارائن سوامی نے سوامی رام کی تخلیقات کی اشاعت کا کام اپنے ذمے لیا تھا۔ اس کام میں ابتدائی مرحلے میں ماسٹر امیر چند نے اس کی مدد کی۔ سوامی رام کی اس وقت تک کی تخلیقات چار جلدوں میں ۱۰-۱۹۰۹ء میں دلی سے جاری کی گئیں۔ اس سلسلۂ کتب کا نام تھا "عرفانِ خدا کے جنگلوں میں"۔

بعد میں نارائن سوامی نے ۱۹۱۹ء میں سوامی رام تیرتھ کے مدّاحوں اور اپنے ہمدردوں کی مدد سے شہر میں یعنی لکھنؤ میں جہاں انہوں نے سنیاس دھارن کیا تھا "رام تیرتھ پبلیکیشن لیگ" قائم کی۔ اس ادارے نے آٹھ جلدوں کے مجموعے میں نئے سرے سے لیکچروں کا سلسلہ شائع کیا اور ہندی میں ۲۸ جلدوں میں سوامی رام کی تخلیقات شائع کیں۔ رسالہ "الف" کے مضامین اور اردو کے کچھ خطوط ۴۵۰ صفحات کی ایک کتاب میں شائع کیے گئے۔ سوامی رام تیرتھ نے بہت سی نظمیں بھی لکھی تھیں۔ تقریبًا ۱۰۰ انگریزی میں اور لگ بھگ ۱۵۰ اردو میں۔ پھر ۱۱۲۴ خطوط بھی تھے جو چند سالوں کے عرصے کے دوران بھگت دھنا مل کو لکھے گئے تھے۔ اس تمام مواد کی نہ صرف دیکھ بھال کی گئی بلکہ اسے مطبوعہ کتابوں میں محفوظ رکھا گیا۔ تیرتھ رام پبلیکیشن لیگ جس کی ازسرِنو تشکیل رام تیرتھ پرتشٹھان سارناتھ وارانسی کے نام سے کی گئی۔ یہ اہم مقصد رکھتی تھی کہ سوامی رام کی تحریروں اور ادب کی مدد سے سوامی رام کے پیغام کا پرچار کرے۔

سوامی رام تیرتھ نے عام جلسوں اور "ست سنگوں" میں ویدانت کی جو تفسیریں کی تھیں وہ ان کے پیغام کی گہرائی تک پہنچنے کا اہم وسیلہ ہیں لیکن

اس سلسلے میں ان کی کاپیاں بھی بھاری اہمیت رکھتی ہیں۔ جب وہ پہاڑوں میں چلے گئے تھے تو وہ انہیں استعمال کے لیے اپنے ساتھ لے گئے تھے جہاں انہوں نے ان میں وہ خیالات درج کیے تھے جو وقتاً فوقتاً ان کے ذہن میں آتے تھے۔ وہ چوں کہ ان میں صرف اپنے آپ سے مخاطب ہوتے تھے لہٰذا وہ ایک طرح سے ان کے ذہن کی آئینہ داری کرتی ہیں۔ اگرچہ چند مندرجات کافی بڑے ہیں لیکن بیشتر ایک دو فقروں پر مشتمل ہیں لیکن وہ ایک ثروت مند موضوع رکھتے ہیں۔ مثالوں اور لطیفوں کی طرح۔ سوامی رام نے انہیں ایک طے شدہ منصوبہ یا پہلے سے سوچے سمجھے انتظام کے مطابق قلم بند نہیں کیا تھا۔ اگر حسبِ ذیل اقتباسات میں ایک طرح کی درجہ بندی نظر آتی ہے تو وہ موجودہ مرتب کی مرہونِ منت ہے۔ ہر ایک قول یا تصور بجائے خود بیش بہا ہے اور اس کا نچلے یا اوپر کے قول سے تعلق جوڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

عقل و دانش کے موتی

بادۂ ذہن : آپ کا ذہن ایک ایسی شراب ہونا چاہیئے کہ اس میں جو کچھ گرایا جائے اس میں جذب ہو جائے۔

تقدیر : تقدیر اس کی دوست ہے جو اس کا مقابلہ کرتا ہے۔ تقدیر ہمت اور حوصلہ ہے۔

جسم و روح : جسم کی رات روح کا دن ہے۔

مسلک : مسلک مذہب کی گرامر ہوتے ہیں۔

دماغ کا روشن دان : آپ کی مہک رسیلی ہو گی اگر آپ کے دماغ کا روشندان

درست ہے۔

فلسفہ: معمولی فلسفہ اپنے راستے پر گامزن شکاری کتا ہے۔ وہ جتنا زیادہ شکار کرتا ہے اتنا ہی زیادہ دور چلا جاتا ہے۔

مددگار ہاتھ: وہ ہاتھ جو مدد دیتے ہیں دعا کرنے والے ہونٹوں سے کہیں بہتر ہیں۔

انسان اور خیالات: ایک برادری چھوٹے خیالات رکھنے والے عظیم انسانوں سے مزین نہیں ہوتی بلکہ عظیم خیالات رکھنے والے چھوٹے انسانوں سے مزین ہوتی ہے۔

گندگی: غلط جگہ پر پڑی دولت سراسر گندگی ہے۔

گناہ: ہمیں گناہوں کے لیے سزا نہیں ملتی مگر ہمارے گناہ ہمیں سزا دیتے ہیں۔

دعا: دعا دو چیزوں کو یکجا کرتی ہے۔ مشیتِ ایزدی کو اور انسان کے ارادے کو۔

غلطی: ہر غلطی میں سچائی کا کچھ عنصر ہوتا ہے۔

سماج: سماج آگے بڑھتا ہے۔ اسے دھکیلا نہیں جاتا۔ اور یہی بات سماج کو بچائے گی۔

صداقت: صداقت کو جاننے کی ضرورت ہوتی ہے اور محض کسی کی سند پر اس پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔

زیرکی: ایک زیرک انسان پن کی طرح ہوتا ہے۔ اس کا سرا اسے بہت دور جانے سے روکتا ہے۔

چھوٹے اور بڑے: بڑا بننا بھی اتنا ہی آسان ہے جتنا چھوٹا بننا۔

خیالات : جیسا سوچوگے ویسے ہو جاؤ گے ۔
داتا : ہمیشہ داتا بنئے اور وصول کنندہ ہر گز نہ بنیئے ۔
ارمان : کسی بات کا ارمان کیجئے ۔ آپ کو تحریک ملے گی ۔
انسان اور خدا : ہر انسان ایک نہر ہے جس میں خدا کی رحمت بہتی ہے ۔
نفرت : نفرت اور حسد الٹی ہمدردی ہیں ۔
عقل اور حماقت : ایک طبقے کا عاقل اپنی عادت کے اعتبار سے دوسرے طبقے کے بے وقوف پر غور کرتا ہے ۔
آسائش : آسائش میں پستی اور انحطاط کے حالات پائے جاتے ہیں ۔
غریبی : غریب ہونا ایک نعمت ہے چونکہ غریبی خدا کے تخت تک جانے کے لیے آنسوؤں کا زینہ تعمیر کرتی ہے ۔
خوف : ہر خوف کی تہہ میں خود غرضی ہوتی ہے ۔
فائدہ اور نقصان : ڈالروں کا جو فائدہ ہوتا ہے وہ وقت آنے پر جاتا رہتا ہے ۔ دولت کے اعتبار سے امیر ۔ زندگی کے اعتبار سے غریب ۔
کھینچنا اور دھکیلنا : زندگی کے تمام دروازوں پر لکھا رہتا ہے "کھینچو" لیکن ہم پھر بھی اکثر انہیں دھکیلنے لگتے ہیں ۔
حقیقی دولت : انسان جتنی چیزوں سے سروکار نہ رکھنا برداشت کر سکتا ہے ان کی مناسبت ہی سے وہ امیر ہوتا ہے ۔
وقت ضائع کرنے والے : ہم میں سے بہت سے اس سلسلے میں بہادر ہیں ۔ ہم وقت کا خون کر سکتے ہیں ۔
عقل : علم ماضی کی طرف مڑ کر دیکھتا ہے اور عقل مستقبل کی طرف آگے دیکھتی ہے ۔

بُرائی : ہمارا نام برائی ہے چوں کہ یہ ہمارا اپنا لگایا ہوا زخم ہے۔

کامیابی اور ناکامی : اگر آپ ناکامی کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو آپ کو کامیابی کا کوئی حق نہیں۔

صفر : صفر کو اگر درست جگہ پر رکھا جائے تو وہ ایک رقم کی قیمت دسیوں گنا بڑھا دیتا ہے۔

قوتِ تخلیق : قوتِ تخلیق کا حسن انوکھے پن میں نہیں بلکہ خلوص میں ہے۔

تفریح : جب انسان صحیح طور پر کسی کام میں مصروف ہوتے ہیں تو ان کے کام سے تفریح پیدا ہوتی ہے۔

درد و کرب : درد و کرب کی آگ ہی سے ذہن کا کوئلہ روشنی میں تبدیل ہوتا ہے۔

باتیں : انسان باتوں سے متاثر نہیں ہوتے بلکہ ان باتوں کے متعلق خیالات سے متاثر ہوتے ہیں۔

تسلیم و رضا : خدا کی رضا کو تسلیم کرنے سے آدمی کے رنگ روپ میں نفاست آجاتی ہے۔

خواہش : خواہش انسان کا ایک حصّہ کاٹ دیتی ہے۔ ہم اپنا توازن بگاڑ لیتے ہیں۔

آشیرواد : جو چیزیں موجود نہ ہوں انہیں طلب کرنا ان آشیروادوں کے حق میں احسان فراموشی ہے جن سے آپ اس وقت لطف اندوز ہیں۔

محبّت : آپ اس وقت تک کسی شخص کو نہیں جان سکتے جب تک کہ آپ پہلے اس سے محبت نہ کریں۔

مقابلہ: مقابلے سے اشتراک زیادہ قدیم ہے۔
استدلال: محبت سے امید پیدا ہوتی ہے اور استدلال سے مایوسی۔
مسرت: مسرت کے برابر کوئی ٹانک (قوت بخش دوا) نہیں۔
حق ملکیت: قانونی حقِ ملکیت ایک منفی طاقت ہے جو دوسروں کو کسی چیز کے استعمال سے روکتی ہے۔
تبدیلی: "تبدیلی اور فنا" قدرت کا گمبھیر" مخصوص لفظ" ہے۔
حوصلہ: حوصلہ رسمی آداب سے بہتر ہے۔
حریت: فقط قانون کی حدود کے اندر ہی آزادی مضمر ہے۔
اخبارات: وہ لوگ خوش نصیب ہیں جو کبھی اخبار نہیں پڑھتے کیونکہ ایسے لوگ قدرت کو دیکھ سکیں گے اور قدرت کے ذریعے سے خدا کو دیکھ سکیں گے۔
انقلاب: انقلاب جراحی کا ایک عمل ہے جو سرطان (کینسر) کی جڑوں کو چھوئے بغیر چھوڑ جاتا ہے۔
سُدھار: پہلے اپنی اصلاح کرو اور پھر تمام دیگر باتیں درست ہو جائیں گی۔
سیاست داں: سیاست داں ایک مہذب وحشی ہوتا ہے۔
تنہائی: میں نے آج تک کبھی کوئی ایسا ساتھی نہیں دیکھا جو تنہائی سے بہتر ساتھی بننے کے قابل ہو۔
بیماری: ہم اپنے مزاج کو اس وقت محسوس کرتے ہیں جب وہ بیمار ہوتا ہے اور ہم اپنی شخصیت کو اس وقت محسوس کرتے ہیں جب ہم روحانی اعتبار سے بیمار ہوتے ہیں۔

چوری : جو آپ کا مال چرا لیتا ہے، چور ہے لیکن جو آپ کے مال و متاع کا احساس چرا لیتا ہے وہ گرو ہے۔

دولت : دنیاوی دولت انجیر کے پتوں کی طرح ہے جن سے مذموم روح اپنی عریانی چھپانے کی کوشش کرتی ہے۔

گداگری: جب تک بھیک مانگتے رہو گے کچھ نہیں ملے گا۔

خیالات : ایک مناسب خیال ایک تابندہ خیال ہوتا ہے۔

منزل : دُنیا ایک طرف ہٹ جاتی ہے تاکہ وہ آدمی گزر جائے جسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کہاں جا رہا ہے ؟

دینیات : مذہبی ہدایت سے روحانی افلاس پیدا ہو جاتا ہے۔

بہترین مقام: ہر ایک کے لیے بہترین جگہ وہی ہے جہاں وہ کھڑا ہے۔

اعتقاد : معجزوں سے جو اعتقاد پیدا کیا جاتا ہے وہ اعتقاد نہیں ترغیب ہے۔ منطق سے اعتقاد کو ثابت کرنا آپ کے دل میں خوف کے بیج بونا ہے۔

ویدانت: (۱) کام کرنے کو کچھ نہ ہو مگر پھر بھی کچھ نہ کچھ کرتے رہنا ویدانت ہے۔

(۲) ویدانت اس حد تک سرگرم ہمدردی ہے کہ ایثار اور انا ہمارے لیے یکساں ہو جاتے ہیں۔

سائنس : سائنس اور فلسفہ ہمیں چھپا ہوا کرا یے کا بل پیش کرتے ہیں جو سخت خوراک کے برابر ہوتا ہے۔

اینٹ : وہ اینٹ جو دیوار میں فٹ ہو سکے کہیں بھی پڑی ہو اٹھا لی جاتی ہے۔

پابندی : آپ کو قید کون کرتا ہے ، آپ کی اپنی خواہشات۔
سمرت : وہ آدمی کبھی اتنا بلند نہیں ہوتا جو یہ نہیں جانتا کہ وہ کہاں جا رہا ہے ؟
لمحاتِ فرصت : تھوریو لمحاتِ فرصت کو زیورات پر ترجیح دیتا تھا۔
ماں : ماں کی زندگی ان کہی دُعا ہوتی ہے۔ اس کا جسم بھگوان کا مندر ہوتا ہے۔
خدا : خدا نہ مرد ہے ، نہ عورت نہ دوشیزہ بلکہ سراسر اسرار ہے۔

سوامی رام کے بے ترتیب خیالات

(۱)

آپ انسان کو اعلیٰ ترین تحفہ یہ دے سکتے ہیں کہ اسے علم عطا کریں۔ آپ آج ایک شخص کو کھانا کھلا سکتے ہیں لیکن وہ کل پھر بھوکا رہے گا۔ اسے کوئی آرٹ سکھا دیجئے۔ آپ اسے اس قابل بنا دیں گے کہ وہ عمر بھر روزی کماتا رہے۔

(۲)

جو انسان انسانوں کا رہنما بننے کے قابل ہوتا ہے وہ کبھی اپنے مددگاروں کی حماقت کا ، اپنے پیروؤں کی غداری کا ، نسلِ انسانی کی احسان فراموشی کا اور لوگوں کی ناقدرشناسی کا شکوہ نہیں کرتا۔

(۳)

چند ایسے لوگ ہیں جن کے لیے حب الوطنی کا مطلب یہ ہے کہ وہ

ماضی کی معدوم عظمتوں پر مسلسل غور کرتے رہیں۔ دیوالیہ ساہوکار وہ ہیں جو قرضوں کی ان فرسودہ کتابوں کی چھان بین کرتے رہیں جو بے کار ہو چکی ہیں۔

(۴)

ہر انسان کو مساوی آزادی دیجیے تاکہ وہ اپنی حیثیت معلوم کر سکے، اپنی مرضی کے مطابق اپنا سر بلند کر سکے لیکن اس کے پاؤں سدا مشترکہ زمین پر رہیں۔ کسی کے کندھے یا گردن پر ہرگز نہ ہوں خواہ وہ شخص کمزور ہو یا آمادہ ہو۔

(۵)

ہمیں لوگوں کے دلوں میں اگر کچھ ابھارنا ہے تو وہ ہے تعریف کا جذبہ، تنقید کا جذبہ نہیں، ہمیں لوگوں کے دلوں میں اخوت کا جذبہ، اتحاد کا رجحان، فرائض میں تال میل اور محنت کی امارت کا جذبہ ابھارنا چاہیے۔

(۶)

ہندوستان کے کٹّر مذہبی لوگوں نے یہ لوہا منوایا کہ شاستر ٹھیک کہتے ہیں مگر ملک کے دھرم کا یہ تقاضا ہے کہ ذات پات کے سخت قواعد نرم بنا دیئے جائیں اور شدید قسم کے طبقاتی امتیازات کو قومی رفاقت کے تابع بنا دیا جائے۔

(۷)

ایک مہذب سماج کے چہرے پر یہ ایک بہت بڑا داغ ہے کہ عورت کو تجارتی جنس بنا دیا گیا ہے۔ عورت پر یوں قبضہ کیا جاتا ہے اور وہ مرد کی یوں ملکیت بن جاتی ہے جیسے درخت یا مکان یا روپیہ مرد کے ہوتے ہیں۔

(۸)

عورتوں اور بچوں اور محنت کش طبقوں کی تعلیم کو نظر انداز کرنا کچھ ایسے

ہے جیسے ان شاخوں کو کاٹ دیا جائے جو ہمیں سہارا دیتی ہیں۔ نہیں بلکہ یوں ہے جیسے کوئی قوم پرستی کے پیڑ کی جڑ پر کاری ضرب لگائے۔

(۹)

ہندوستان میں آزاد خیالی کو سنی سنائی بات سمجھا جاتا ہے نہیں اسے بھیانک جرم سمجھا جاتا ہے اور ایک مُردہ زبان سے جو کچھ میسر آتا ہے اسے مقدس مانا جاتا ہے۔

(۱۰)

ہندوستانی راجے مہاراجے اور امرا اپنے بیش بہا جواہرات اور اقتدار سے محروم ہو کر قالین کے شیر بن کر رہ گئے ہیں۔ اپنے کھو کھلے خطابوں اور خالی خولی بے کارناموں کو چھنکاتے رہتے ہیں۔

گیارہواں باب

خطوط اور نظمیں

سوامی رام تیرتھ اور زیادہ صحیح طور پر تیرتھ رام جو اس وقت اسی نام سے مشہور تھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک پیدائشی ادیب تھے۔ ایک حقیر سا جذبہ بھی انہیں فوراً اس کے اظہار پر مجبور کر دیتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائی ایام میں وہ اکثر لکھتے رہتے تھے۔ بھگت دھنا مل سے ملنے اور اسے ہیرو بنا دینے کے بعد انہوں نے اپنا یہ فرض سمجھا کہ وہ اپنے حالاتِ زندگی کے بارے میں اسے آگاہ کرتے رہیں۔

جس دن انہوں نے کالج کے نوعمر طالب علم کی حیثیت سے لاہور میں قدم رکھا اس دن سے انہوں نے اپنے گرو کو خطوط کا ایک سلسلہ شروع کر دیا۔ جب وہ سلسلہ اپنے انجام کو پہنچا تو خطوط کی تعداد ۱۱۰۰ سے تجاوز کر چکی تھی۔ یہ بات ناگزیر تھی کہ اس خط وکتابت کا بیشتر حصہ ایسے واقعات سے تعلق رکھتا جو تیرتھ رام اور غالباً دھنا مل کے سوا کسی اور کے لیے اہم نہیں ہو سکتے تھے۔

گوسائیں برج لال نے اپنی کتاب میں چند درجن مندرجات ایسے شامل کیے ہیں جن میں بہت ہی معمولی باتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمایئے۔

۱۔ ان دنوں مجھے بھوک بہت کم لگتی ہے۔ اور میرے منہ کا ذائقہ کڑوا ہے۔

۲۔ میں نے آج دال پکائی ہے مگر دیگچی میں بہت زیادہ پانی ڈال دیا ہے۔

۳۔ میرے بائیں کان میں ہلکا ہلکا درد ہے اور دائیں کلائی پر چھوٹی سی پھنسی نکل آئی ہے۔

۴۔ میری عینک کا ایک شیشہ گر گیا ہے۔

۵۔ کل اور پرسوں ہمارے ریاضی کے امتحانات ہیں۔

۶۔ میرا بہنوئی مجھ سے ہر روز چار پانچ منٹ کے لیے ملنے آتا ہے۔

۷۔ میرا ایک ہم جماعت مر گیا ہے۔

۸۔ میں نے انارکلی میں دو دو ٹانگوں والا ایک لڑکا دیکھنے کے لیے ایک پیسہ صرف کیا۔

۹۔ کل موسلا دھار بارش ہوئی تھی لیکن آج مطلع صاف ہے۔

۱۰۔ سندر سنگھ جسے میں پڑھاتا ہوں شادی میں شرکت کرنے کے لیے گوجرانوالہ گیا ہوا ہے۔

اس پر بھی سوامی رام کی زندگی کے اہم ترین واقعات کا ذکر بھی ان خطوں میں ملتا ہے اور اس خط و کتابت کی مدد سے ہم اس قابل ہوتے ہیں کہ لاہور میں سوامی رام تیرتھ کے ایام کی کہانی کے حصے آپس میں جوڑ سکیں۔ ان تمام خطوط کو محفوظ رکھا گیا ہے اور یہ اس وقت رام تیرتھ پرتشٹھان وارانسی کی تحویل میں ہیں۔ یہ دھنا مل ہی تھا جس نے عقل و خرد سے کام لیتے ہوئے انہیں

آنے والی نسلوں کے لیے بچا کر رکھا۔

سوامی رام تیرتھ نے متعدد خط انگریزی میں بھی لکھے۔ بہت سے خط اس وقت لکھے گئے جب آپ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں تھے اور چند خطوط بدیس کے دورے سے ہندوستان واپس آکر لکھے گئے۔ سوامی رام کی تحریر کے نمونے کے طور پر چند خطوط ذیل میں درج کیے جا رہے ہیں۔ یہ بات دیکھنے میں آئے گی کہ سوامی رام تیرتھ ان خطوط کو مباحثوں کی طرح ویدانت کا پیغام پھیلانے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ ان میں ایسا مواد بہت کم ہے جو سوامی رام کی سوانح عمری سے تعلق رکھتا ہو۔

خط نمبر ۱

یہ خط کیلے فورنیا کے شاستا چشموں سے مسز ویل مان کو لکھا گیا جب کہ وہ اپنے مجوزہ دورۂ ہندوستان کی تیاری کر رہی تھی۔ اس پر ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۳ء کی تاریخ ہے۔

پیاری ماں!

آپ کا خط کاغذات اور لفافوں سمیت ملا۔ (مسز ویل مان نے انہیں اسٹیشنری بھیجی تھی) جب آپ اس ہمدرد سرزمین (ہندوستان) پر قدم رکھیں گی تو آپ کا پرجوش سواگت کیا جائے گا۔ رام پہلے ہندوستان ایک خط لکھ چکا ہے۔ اگر آپ وہاں گئیں تو آپ دیکھیں گی کہ آپ کا نام آپ سے پہلے وہاں پہنچ چکا ہوگا۔ آپ راستے میں جہاں بھی اتریں گی آپ کا خیر مقدم کیا جائے گا۔

(اور پھر ایک سوال کے جواب میں) :-

ہم جب اپنے آپ کو بیہودگی، اوچھے پن اور عیش و نشاط کے حوالے کر دیتے ہیں تو ہم ان دیکھے قانونِ قدرت کے باعث ردِ عمل سے دکھ اٹھاتے ہیں جو ہمیں پست بنا دیتا ہے مگر عقلمند انسان اپنا دل ٹھکانے رکھتا ہے اور فقط خدائے برتر کی حقیقت میں دلچسپی رکھتا ہے۔

جہاں تک دنیاوی چیزوں کا تعلق ہے وہ ان پر بے غرضی سے، بے لاگ ہو کر، لاپروائی سے اور شہزادوں جیسے فیاض سخی کے خود ضبطی والے موڈ سے توجہ کرتا ہے۔

تمام سرگرم کام میں اس مقدس رویّے کو برقرار رکھا جاتا ہے۔ جہاں تک غیر متحرک تجربوں کا تعلق ہے پوری روح ان کے تحت آتی ہے مگر متاثر ہوئے بغیر بے حرکت اور خندہ پیشانی سے اور ہر وقت اپنے وطن کی عظمت نمایاں طور پر یاد رکھنی ہے "میں تنہا ہوں ــــ میرا کوئی ثانی نہیں۔ سورج میری شکل و شباہت ہے"۔ آپ کے اپنے سُوریہ (سورج) یعنی کردار پر مسلسل غور و فکر اور اس کا زندگی کے ہر معاملے پر اطلاق آپ کو ذاتِ مطلق بنا دیتا ہے جو اعلیٰ ترین محبّت، تجلی اور حیات کا مظہر ہے۔ آپ جہاز میں روانہ ہونے سے پہلے یا ہندوستان میں اترنے پر رام کو خط لکھیں گی۔ آپ جب جاپان اور ہانگ کانگ پہنچیں تو اس وقت بھی خط لکھیے گا۔ رام ہندوستان میں آپ کی ہر خدمت کرنے پر بہت خوش ہو گا۔

آپ کی مقدس اور حسین آتما کی طرح
رام

خط نمبر ۲

یہ خط بھی مسز ویل مان کے نام ہے۔ مقام ہے جیکسن ویل فلوریڈا، اور تاریخ ہے یکم اکتوبر ۱۹۰۴ء

انتہائی متبرک پیاری دیوی!

رام نے کچھ عرصے سے آپ کو خط نہیں لکھا۔ اس کی وجہ یہ ہے

۱۔ رام ہمیشہ مصروف رہتا ہے۔
۲۔ اخباروں کو چند خطوط کے سوا ہندوستان میں کسی کو خط نہیں لکھا۔
۳۔ یہ جانتے ہوئے کہ آپ اچھے ہاتھوں میں ہیں رام نے سوچا کہ خطوط کی ضرورت نہیں۔
۴۔ مینا پولس سے روانہ ہونے کے بعد رام کو آپ کا کوئی خط نہیں ملا۔ بھگوان کرے کہ امن، فضل و کرم، محبت اور مسرت ہمیشہ آپ کے ساتھ رہے۔

آپ حقیقی معنوں میں اپنی باطنی آواز پر لبیک کہتے ہوئے کسی کے سامنے جھوٹے نہیں پڑتے۔ ہم کسی کے مقروض نہیں۔ ہماری محنت کو محبت کی محنت ہونا چاہیے۔ ہمارا قول یہ ہونا

چاہیے کہ ہمیشہ اِرد گِرد موجود رہیں اور ماحول میں جذب رہیں۔
ہر مرد اور عورت کو آزادی سے اپنا تجربہ کرنے دیجیے۔
ہمارا صرف یہی حق ہے کہ ہم آگے بڑھنے میں اپنے رفیقوں کی خدمت کریں اور مدد کریں۔ لیکن یہ پیش قدمی حقیقی معنوں میں پیش قدمی ہونی چاہیئے محض اعتبار لانے والی ترقی نہیں ہونی چاہیئے۔ جب میں اپنے دوستوں کو ان کے روحانی ارتقاء میں مدد دیتا ہوں تو میں ان کی صف میں شامل ہو جاتا ہوں۔ جو کچھ بھی آپ کریں گی، جہاں کہیں بھی آپ ہوں گی رام کی آشیرواد اور محبت آپ کے ساتھ رہے گی۔۔۔۔
جس قول کو یاد رکھنا چاہیئے اور جس پر عمل کرنا چاہیئے یہ ہے:

> اگر آپ ایک دوست کی بری بات جانتے ہیں تو اسے بھول جائیے۔ اگر آپ کسی شخص کی اچھی بات جانتے ہیں تو اسے بتا دیجیئے۔ اس کی شکل و شباہت ثروت مند علمِ کیمیا کی طرح حسن و خوبی میں تبدیل ہو جائے گی۔

بے خوف انسان کا سورج جیسا سلوک۔ مسلسل دینے والے سخی۔ صلے کی امید کے بغیر دوسروں کی خدمت۔ آزادانہ محبت سے روشنی اور زندگی نچھاور کرنا۔ خدا کی عظمت کی طرح نورِ الٰہی میں رہنا۔ مقدم طور پر خود غرضی سے شخصیت کا احساس نجات اور شفاعت ہے۔

"میں روحانی غذا کھاتا ہوں ،
روحانی شراب پیتا ہوں ،
خدا میرے اندر اور میرے ارد گرد موجود ہے ،
اور خدا تمام تر ہمیشہ کے لیے میرا ہے ۔"

آپ کا اپنا
سوامی رام

خط نمبر ۳

یہ خط سوامی رام نے راجستھان میں پشکر سے امریکہ میں مسز پالین ویٹ مین کو لکھا۔ وقت فروری ۱۹۰۵ء کا آخر ہے۔ یہ بات دیکھنے میں آئے گی کہ سوامی رام قدرت کی خوب صورتیوں کے لیے گہری نظر رکھتے تھے۔

عزیز ترین اور انتہائی خوش نصیب آتما!

رام ایک پرسکون، صاف اور گہری جھیل کے کنارے پر رہتا ہے۔ ایک طرف لمبا اور ایک جیسی قدو قامت کا پہاڑ ہے اور اس نے اپنے سارے تن پر ایک خوب صورت سبز شال اوڑھ رکھا ہے۔ یہاں آم کے پیڑوں کے جھنڈوں کی فراوانی ہے۔ اُس گھر میں جہاں رام رہتا ہے پھولوں کے دو چھوٹے چھوٹے باغ ہیں۔ عظیم الشان مور پرواز کرتے رہتے ہیں اور اپنے دھات کے بنے ہوئے حلق سے چیختے ہیں۔ مرغابیاں اٹھکھیلیاں کرتی ہوئی تیرتی ہیں اور جھیل میں غوطے لگاتی ہیں۔

اس جھیل کو دھرتی کی آنکھ کہا جاتا ہے۔ جنگلاتی پہاڑ اور چٹانیں اس کے ابرو ہیں۔ یہ ایک ایسا آئینہ ہے جسے کوئی پتھر توڑ نہیں سکتا۔ جس پر چڑھا ہوا چاندی کا پانی کبھی اتر نہیں سکے گا۔ یہ ایک ایسا آئینہ ہے جس کے اندر پہنچنے والی تمام غلاظت کو سورج کا دھندلا برش یعنی روشنی کا جھاڑن بہائے جاتا ہے اور صاف کر دیتا ہے۔

جھیل ایک اعلیٰ ترین کردار ہے جس سے رام دوچار ہوا ہے۔ یہ کتنی اچھی طرح اپنی پاکیزگی برقرار رکھتی ہے۔ اپنے تمام تھپیڑوں کے باوجود اس پر ایک بھی شکن نہیں پڑتی۔ یہ سدا جوان رہنے والی جھیل ہے۔

ہمارے دل بھی ایسے ہی ہونے چاہئیں۔

ملاحظہ فرمائیے:

"پرندے معلق ہیں اور جھول رہے ہیں۔ ان کے لباس سبز اور سرخ ہیں۔ یا وہ قوسِ قزح اوڑھے ہوئے خواب آور انداز میں خم دار قطاروں میں ایک درخت سے دوسرے درخت پر جھک رہے ہیں یا ہمارے سروں پر معلق دھیمی آوازمیں گا رہے ہیں

ہلکے ہلکے گاؤ۔ جیسے وہ گا رہے ہیں اور سو رہے ہیں
دھیمی آوازمیں ایک دور افتادہ آبشار کی طرح گاؤ
اور ہم سب کو قطعاً دھیان میں نہ لاؤ

آپ کی آتما کی طرف سے امن، آشیرواد اور پیار
سوامی رام

خط نمبر ۴

یہ خط سوامی رام نے ۱۱ر اکتوبر ۱۹۰۵ء کو مظفر نگر سے پورن سنگھ کو لکھا تھا۔ سوامی رام وہاں اتر کھنڈ میں شدید بیمار ہو جانے کے بعد تبدیلیٔ آب و ہوا کے لیے گئے تھے۔

جانِ من!

راکھ سے بھرے ہوئے ہاتھ جلد کو صاف کر دیتے ہیں۔ اُن بیماریوں پر تین بار خدا کا فضل و کرم ہو جو جلد کا شعور بھی اپنے ساتھ رگڑ کرلے جاتی ہیں۔

بیماری اور دکھ کا خیر مقدم کرو۔

جب تک گھر میں مُردہ پڑا رہتا ہے تب تک تمام اقسام کی وباؤں کا ہر خطرہ موجود رہتا ہے۔ جب نعش کو ہٹا دیا جاتا ہے تو صحت کی فرماں روائی ہوتی ہے۔ اسی طرح جب تک جسم کے شعور کو عزیز رکھا جائے گا ہم دنیا کی ہر بیماری کو دعوت دیں گے۔ اس جسم اور اس کے متعلقات کو جلا دیا جائے تو ہم لامثال شہنشاہیت سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

"واہ - واہ!

نہ حسد ہے، نہ خوف ہے

میں عزیز سے عزیز تر ہوں

نہ گناہ ہے - نہ غم

نہ ماضی ہے۔ نہ مستقبل۔"

عالم وفاضل مہاتما جو بال کی کھال اتارنے والے دماغ رکھتے ہیں اور جن کی توندیں نمایاں طور پر نکلی ہوتی ہیں اور چشمہ لگائے ہوئے پروفیسر تجربہ گاہوں اور مشاہدہ گاہوں میں معصوم شاگردوں کو حیرت زدہ کر رہے ہیں اور ننگے سر والے مقررین اپنے برجوں یا پلیٹ فارموں سے اپنے سامعین کو گونگا بنا رہے ہیں۔

غریب اور امیر بھی کوئی نہ کوئی شکوہ کر رہے ہیں۔ میں یہ سب کچھ ہوں۔

خط نمبر ۵

یہ سوامی رام کی تحریر کا آخری نمونہ ایک خط ہے جو سوامی رام نے جون ۱۹۰۶ء کے آخر میں وشسٹ آشرم سے آر۔ بی۔ بیج ناتھ کو لکھا۔

اگر خدا کی ذات کے نقطۂ نظر سے تبصرہ کیا جائے تو ساری دنیا حسن کا بہاؤ، مسرت کا اظہار اور روحانی لطف کی بارش بن جاتی ہے۔ جب تصور کی محدودیت پر قابو پا لیا جاتا ہے تو ہمارے لیے کوئی بھی چیز بھونڈی اور بھاری نہیں رہتی۔ "ساری دنیا خوش رنگ اور حسین ہے۔" قدرت کی قوتیں ہمارے ہاتھ پاؤں اور دیگر حواس بن جاتی ہیں۔

آتما چوں کہ آنند اور ذاتِ مطلق ہے لہٰذا خود آگہی کا مطلب ہے کہ راحت ابدی کی حیثیت سے اپنی آتما کو سمجھنا جو ساری دنیا میں روشن اور منور ہے۔

یہ کائنات چوں کہ میری آتما کی تجسیم ہے اس لیے مجسم شیرینی ہے۔
میں کس پر الزام لگاؤں؟ کس پر نکتہ چینی کروں؟
میں ہی تو راحتِ تمام ہوں ــــ اوم

٭ ٭ ٭

وید بڑی خوب صورتی سے عشرت اور کامیابی کے متعلق روحانی قانون کی تشریح کرتے ہیں۔ ہر کسی کو اپنے دل میں کسی بھی شے کو خواہ وہ کچھ ہو حقیقی جان کر اس پر یقین کرنے دو۔ یعنی اعتقاد کی شے کی حیثیت سے اور وہ شے ناگزیر طور پر اسے چھوڑ دے گی یا اس سے بے وفائی کرے گی۔ یہ قانون کششِ ثقل کے قانون سے زیادہ سخت ہے۔ آتما فقط یہی حقیقت ہمارے دل میں جاگزیں کرتی ہے کہ کسی اور چیز کو حقیقی دیکھنے کے فریب سے ہم آگاہ رہیں۔

سوامی رام کے انگریزی کے اشعار

سوامی رام تیرتھ نہ صرف پیغمبر تھے بلکہ شاعر بھی تھے۔ ان کا گہرا احساس تیزی اور سرگرمی کے ساتھ اُن کو ماحول اور محرّکات سے متاثر ہونے پر مجبور کر دیتا تھا۔ ان کے یہ ردِّ عمل شعر کی صورت میں ابھرتے تھے۔ ذریعۂ اظہار بعض اوقات اردو اور بعض اوقات انگریزی ہوتا تھا۔ وہ چوں کہ ایک طویل عرصے تک فارسی کے محنتی طالب علم رہے تھے اس لیے ان کی اردو کی نظمیں اکثر

وزن وعروض کے نقائص سے پاک ہوتی تھیں ۔ لیکن یہ بات ان نظموں میں نہیں تھی جو انہوں نے انگریزی میں لکھی تھیں ۔ شاعرانہ وجدان اور ذوق فی الواقع موجود تھا اور سوامی رام تیرتھ پوپ کی طرح عروض کے ارکان میں لکھتے تھے ۔ عروض میں چوں کہ تربیت کی کمی تھی اس لیے وہ نظمیں اکثر کمزوریوں کی ذمہ دار ہوتی تھیں اور شناسا کان ان کو بھانپ لیتے تھے ۔ بہرکیف ہم اس ملک میں سوامی رام تیرتھ کے اندازِ تحریر کی نسبت موضوع میں زیادہ دل چسپی رکھتے ہیں اور ہم میں سے بیشتر لوگوں کے لیے جذبہ زیادہ رفعت رکھتا ہے ۔

مرحوم سی ۔ ایف اینڈریوز کی بھی یہی رائے ہے جنہوں نے سوامی رام تیرتھ کی تخلیقات کے مجموعہ کا تعارف لکھا تھا جسے سوامی رام تیرتھ پبلیکیشن لیگ لکھنؤ نے مرتب کرنے کے بعد آٹھ جلدوں میں شائع کیا تھا ۔ سوامی رام کی انگریزی کی نظموں کا حوالہ دیتے ہوئے انہوں نے یہ رائے دی :

"انہوں نے بلاشک وشبہہ اپنی نظموں میں بہت سی ترمیم کی ہوگی اور غالباً ان کو بہت زیادہ مختصر کر دیا ہوگا ۔ انھوں نے اپنی نظم کا وزن بھی درست کیا ہوگا جن کو صاف طور سے کاغذ پر لکھا گیا ہے ۔ اس وقت جب کہ ان پر شعر کہنے کی کیفیت طاری ہوتی تھی ۔ اس سلسلے میں اگرچہ قاری کا کافی نقصان ہوا لیکن قاری کو وافر فائدہ بھی ہوا چوں کہ نظموں کے تکملے میں جو کچھ کھویا گیا اسے نظموں کی تازگی اور توانائی کی صورت میں حاصل کر لیا گیا ۔"

فی الحقیقت اینڈریوز سوامی رام کی شاعرانہ صلاحیت کی بڑی قدر

کرتے ہیں اور ان کی رائے میں ان کا شاعرانہ جذبہ ان کے فلسفے میں مضمر ہے جو ان کے تصورات کو تازگی اور خلقی حیثیت عطا کرتا ہے۔ قدرت کے لیے سوامی رام کی روحانی محبت، ان کی وارفتہ مسرت اور شگفتگی کو ان کے گیتوں میں اظہار کی صورت ملی ہے۔ اینڈریوز سوامی رام کے اس نقطۂ نظر کی تعریف بھی کرتے ہیں کہ وہ ویدانت کو اس کے سماجی اور قومی اطلاق میں مسیحی انسان دوستی کے جذبے کے قریب تر لے گئے۔ وہ یہ دیکھتے ہیں کہ مسرت کے لیے سوامی رام کی خلقی محبت ان کی نظموں سے چھلک رہی ہے اور وہ اپنے قہقہے کی گونج دوسروں کے دلوں میں بھی پیدا کرتے ہیں۔

سوامی رام کی انگریزی کی نظموں کے چند نمونے ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔ ہر نظم جب اس کا مرکزی خیال قدرت کا کوئی حسن ہوتا ہے تو ویدانت کے پیغام کی آئینہ داری کرتی ہے۔

(۱)

میرے دل کے مندر میں
محبت کا نور اپنی عظمت پنھاور کرتا ہے
بظاہر نکیلے کانٹوں کے باوجود
محبت کے پھول اپنی خوشبو پھیلا رہے ہیں
کونپل کی طرح پھوٹتی ہوئی مسرت کا سدا بہار چشمہ
درخشاں اور تابندہ شان وشکوہ سے بہہ رہا ہے

٭ ٭ ٭

سنہرے بال و پر والے آزاد پرندے گا رہے ہیں

راحت اور حمد و ثنا کے نشاط انگیز گیت
موسمِ بہار کی نعمتوں کے پیارے بچے
خیر مقدم کی گہری تانیں اڑا رہے ہیں
نکلتے ہوئے دن کے گلابی پرتو
چراگاہوں، جھیلوں اور پہاڑوں کو مزین کر رہے ہیں
جمالِ ابدی کا ابرِ مطیر
دھیرے دھیرے امرت کی ٹھنڈی پھواریں برسا رہا ہے
دل کش رنگوں کی خم دار دھنک
وسیع و عریض افق پر اپنا تبسم پھیلا رہی ہے

(۲)

سوامی رام نے چاندنی پر یہ نظم کیلے فورنیا میں شاستا چشموں کے کنارے پر آدھی رات کو لکھی تھی جب کہ انہوں نے یہ دیکھا کہ چاند کی روشنی ان کے جھونپڑے میں در آئی تھی۔

اونچے پہاڑ پر سے
تم دیکھ رہی ہو اور جھانک رہی ہو!
میری تنہا جھونپڑی کو اچھی طرح پہچان لو
ایک شرمیلی دوشیزہ کی طرح
تم چار سو متجسانہ نظریں ڈال رہی ہو
کہ آس پاس کوئی ہے تو نہیں
تمہارا چہرہ کہر کی طرح زرد ہے

اگرچہ تم شرمائی اور لجائی ہوئی ہو ۔ سردی سے ٹھٹھر رہی ہو
لیکن پھر بھی بڑی ہمت کر رہی ہو
فرطِ حجاب سے چہرہ سُرخ کیے ہوئے تم چپکے چپکے چلی آئی ہو
کھڑکی کے دروازے میں سے
قالینِ فرش پر
میرے بستر تک
تم جھک جاتی ہو
میرے ابرو پر بوسہ دیتی ہو
میری آنکھیں چومتی ہو کہ میں جاگ جاؤں
تمہارا درخشاں لمس ،
تمہاری سرگوشیاں کرتی ہوئی نظریں
بے غم ، عریاں اور رسیلے سانس
ایسے ہی ہوتے ہیں !

میری نیند اڑ جاتی ہے
تم اور میں
ایک ساتھ لیٹ جاتے ہیں
تھوڑی دیر تک لیٹے رہتے ہیں
میں تمہاری مے پیتا ہوں
اور اس وقت تک پیتا ہوں کہ
ہم ایک دوسرے میں گم ہو جاتے ہیں

(۳)

تہذیب کے نام

تہذیب ـــ ایک خوابِ پریشاں!
لائقِ احترام نام اور مقام ـــ ایسا دکھائی دیتا ہے
تو نمود و نمائش کی احمقانہ ڈھول اڑاتی ہے
اور تو خود اندھیرے میں ہے ـــ مگر تو جانتی نہیں ہے،
تو پہاڑ پر چڑھتی ہے کہ زلف سنوار دے،
تو آتما کو ہلاک کر دیتی ہے اور فکر و تردد کو عزیز رکھتی ہے
لوگوں کو خوش کرنے کے لیے، عزت حاصل کرنے کے لیے
تو عظیم آتما کو ناپاک بنا دیتی ہے،
تو غلاموں یعنی فیشن کے اندھے غلاموں اور باعزت مکاروں
کی پسند کو ہوا دیتی ہے،
تو رسم و رواج، روایت اور مصنوعی اشکال کی نقل
کی تقلید کرتی ہے۔
ہر قدم پر تو اپنے آپ سے یہ سوال کرتی ہے: "کیا اس سے فائدہ ہوگا؟"
اور تو ڈرتی ہے کہ: "لوگ کیا کہیں گے؟"
تو ڈرپوک ہے، بانسری کی طرح چھوٹی ہے، نازک ہے

اور ہر موڑ پر تیرا رنگ زرد پڑ جاتا ہے
تو خسرہ ہے ، خارش ہے ، بخار ہے — افسوس ہے کہ
تو تمام ممالک کے عوام کو پاگل بنا رہی ہے
مفر طریقے اور بے معنی عادات
چھوڑ دے — ہوش میں آ — ہوش میں آ — ہوش میں آ

(۴)

رازِ مسرت

اے خوش باش پرندے — ادھر آ — ادھر آ
اور مجھے ایک کہانی سنا ۔
" تو کیوں خوش اور مسرور رہتا ہے
اور تجھے کل کا کبھی خیال کیوں نہیں آتا ؟
پرندہ ہلکے ہلکے چہچہایا اور اس نے دھیمی سرگوشی کی
" اس کی وجہ بڑی سادہ ہے تم تو جانتے ہو کہ
میں دھوپ سے ، شگفتہ اور سبز پیڑوں سے
ساری قدرت سے ، ٹھنڈی نسیم سے محبّت
کرتا ہوں
اس لیے میں کیوں اُداس ہوں اور منہ لٹکاؤں ،
جب قدرت چارسو ہنس رہی ہے

اور رضا مندی سے واقعی میری خدمت کرنے کے لیے تیار ہے
ہر ضروری چیز سے ۔ میں کیوں اداس ہوں
میں فرطِ مسرت سے گاتا اور چہچہاتا ہوں
خوش ہو کر کام کرتا ہوں
اس لیے کہ میں اور قدرت ایک ہیں ۔ تم دیکھ رہے ہو کہ
قدرت ہمیشہ میرے ماتحت رہی ہے ۔"

(۵)

محبوب کی مشابہت

اوہ ـــــ میں کیسے اپنے محبوب کے مشابہ ہو سکتا ہوں ۔
کیا اُس (خدا) جیسا تصور میں بھی لایا جا سکتا ہے ؟
کیا کیمرے اس کی تصویر اتار سکتے ہیں ؟
کیا کوئی مصوّر کھڑا ہو کر اس کی تصویر بنا سکتا ہے ؟

کیا وہ رنگ اور پیکر میں نمودار ہو سکتا ہے ؟
کیمرہ پگھل گیا،
اس کا سیلابِ نور بہت زیادہ ، بہت فراواں تھا
اوہ میں اپنے محبوب کے مشابہ کیسے ہو سکتا ہوں ؟

اُس کی تصویر اتارنے کے لیے میں نے اپنا ذہن اُس پر مرکوز کیا،
میں نے دل کے کیمرے سے اپنی آنکھیں لگا دیں کہ اس کی
تصویر اتار سکوں،
کیمرہ پگھل گیا
اس کا سیلابِ نور بے پناہ تھا — بے پایاں تھا،
اوہ — میں اپنے محبوب کے مشابہ کیسے ہو سکتا ہوں؟
اگر اس جیسا نہیں ملا تو میں اسے حاصل کروں گا
لوگ کہتے ہیں کہ سورج اس کا فوٹو ہے،
وہ کہتے ہیں کہ انسان اس کا روپ ہے
وہ کہتے ہیں کہ تاروں میں وہی جھلملا رہا ہے
وہ کہتے ہیں کہ پھولوں میں وہی مسکرا رہا ہے
وہ کہتے ہیں کہ بلبلوں میں وہی گا رہا ہے
وہ کہتے ہیں کہ کائنات کی فضا ریں وہی سانس لے رہا ہے
وہ کہتے ہیں کہ مینہ برساتے ہوئے بادلوں میں وہی رو رہا ہے
وہ کہتے ہیں کہ سردیوں کی راتوں میں وہی سو رہا ہے
وہ کہتے ہیں کہ شور مچاتی ندیوں میں وہی دوڑ رہا ہے
وہ کہتے ہیں کہ دھنک کے جھولے میں وہی جھول رہا ہے

∴

(۶)

اعتقاد

مجھے ذات پات یا مسلک و مذہب کی کیا پروا ؟
عمل ہی سب کچھ ہے — عمل ہی سب کچھ ہے
طبقہ کیا ہے ، قبیلہ کیا ہے ؟
انسان ہی سب کچھ ہے ، انسان ہی سب کچھ ہے ۔

محبت ، مسرت اور رنج و الم کے جانشین
کون بلند ہے اور کون پست ہے ؟
پہاڑ، وادی ، آسمان اور سمندر
تمام نسلِ انسانی کے لیے ہیں
تاج کیا ہے اور کلغی کیا ہے ؟
سینے میں دل ہی سب کچھ ہے ،

اعتقاد ہی سب کچھ ہے ، یہی امید ہے
یہی ڈھلوان پر جد وجہد ہے ۔
دماغ اور آنکھ ہی واحد خدا اور
واحد انسان کو دیکھ سکتی ہے ۔

(۷)

میرے دل میں ، میرے باطن میں ، میرے اندر
سمندر موجزن ہیں ، دریا بہہ رہے ہیں
مجھ میں
پھول مسکراتے ہیں ، نسیم چلتی ہے
مجھ میں
بڑے بڑے میلے لگتے ہیں ۔ لڑائیاں چھڑتی ہیں ۔
مجھ میں
پہاڑ سانس لیتے ہیں ۔ قدرت پھلتی پھولتی ہے
مجھ میں
دُم دار ستارے پرواز کرتے ہیں ۔ شہاب مرتے ہیں
سرد ہوائیں آہ بھرتی ہیں ۔ بجلیاں کڑکتی ہیں
مجھ میں
دشمن لڑتے جھگڑتے ہیں ، دوست بھروسہ کرتے ہیں
ماں محوِ خواب ہے اور بچہ رو رہا ہے ۔

بارہواں باب

مذہب کا تصوّر

سوامی رام تیرتھ نے اپنی زندگی کے ایام عمل پہلے ویدانت کے بارے میں اپنی سمجھ بوجھ کی تکمیل میں صرف کیے اور پھر دوسروں کو اس سے آگاہ کرنے میں۔ انھوں نے کسی نئے مذہب یا فرقے کی بنیاد نہ رکھی۔ انہوں نے جس بات کا پرچار کیا وہ ملک کا قدیم علم تھا جو اُپنشدوں سے اخذ کیا گیا تھا اور اپنشد ویدوں کے نچوڑ پر مشتمل ہیں۔ انہوں نے جو اہم حصّہ ادا کیا وہ اس بات میں مضمر ہے کہ انہوں نے مطالعہ اور غور و فکر کی مدد سے علم کو اپنے لیے حقیقی بنایا اور پھر لوگوں سے اس کے بارے میں آسانی سے سمجھ میں آنے والی زبان میں باتیں کیں۔ بہت سے سالوں تک ان کے اندر مشعل جلتی رہی اور وہ اپنے ہی وجدان کی فراواں تجلی سے تمام تر بقعۂ نور بنے رہے۔ بعد میں جب ان کا جسم بیماری کے حملوں سے دوچار ہوا تو وہ اپنی لچک اور لوچ کھو بیٹھے اور اس کے مطابق ہی ذہنی تکان اور بے کیفی پیدا ہوئی۔ یہ مفروضہ پیش کرنا

ممکن ہے کہ انہوں نے اپنی خود آگہی کو مکمل کر لیا تھا اور ڈوبنے سے موت میں ان کا اپنا ہاتھ بھی تھا۔ اس کے برعکس ان کی عظمت کو اور بھی چار چاند لگتے اگر وہ اپنی بیماریوں کا مناسب علاج کراتے تو ان کی صحت بحال ہو جاتی لیکن اب یہ تاریخ کے صرف "اگر، مگر" ہیں۔ ہمیں صرف اس بات سے سروکار ہے جو سوامی رام تیرتھ اپنی مختصر مگر انتہائی سرگرم زندگی میں درخشندہ و تابندہ کر پائے۔

سوامی رام چوں کہ اپنے پیغام سے مختلف نہیں ہیں لہٰذا ان کی زندگی کے مختصر مطالعہ کو اس طرح ختم کرنا مناسب ہوگا کہ مذہب کے متعلق عموماً اور ویدانت کے متعلق خصوصاً ان کے تصورات کا خلاصہ پیش کیا جائے۔ حسب ذیل اہم نکات ان کی تقریروں سے اخذ کیے گئے ہیں اور بعض اوقات ان کی اپنی زبان میں پیش کیے گئے۔

مذہب کی تعریف

مذہب وہ ہے جو انسان کو پھر اس کے ماخذ یا اس کے سرچشمے سے جوڑ دے لیکن انسان کے دماغ یا اس کی ذہانت سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ عظیم ان جانے خدا کو جان سکے جو اس کی ذہانت کا سرچشمہ ہے۔ مذہب اور دینیات میں فرق ہے اور وہ لازمی طور پر ایک ایسا طریق عمل ہے جس سے ذہن اس عظیم ماوراء میں جا کر مدغم ہو جاتا ہے۔ ایک مسلمان جب نماز ادا کرتے ہوئے اپنے ہاتھ اوپر اٹھاتا ہے تو وہ یہ ظاہر کر رہا ہوتا ہے کہ وہ اس تک پہنچنے کی کوشش کر رہا ہے جو اوپر ہے اور دور ہے۔ ایک ہندو اپنی

آنکھیں بند کر لیتا ہے جس سے وہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ (خدا) نظر نہیں آتا جس میں اس کی ذہانت مدغم ہونا چاہتی ہے۔ لہٰذا مذہب اس ان جانے کا ناقابلِ بیان عرفان ہے جہاں تمام دنیاوی امتیازات، جسم اور دماغ، وقت اور مقام، یہ دنیا اور اس میں شامل تمام چیزیں اور باقی سب کچھ بہہ کر اس میں جا ملتا ہے جسے الفاظ بیان نہیں کر سکتے۔ متذکرہ بالا منزل کی جانب لے جانے والی ہر باقاعدہ کوشش اپنے اصل مفہوم میں مذہب ہے۔

اس سے پہلے کہ اس بات پر بحث کی جائے کہ ہمیں ایسے پراسرار انجام کی آرزو کرنے کی ضرورت کیا ہے، ہمارے لیے یہ مناسب ہوگا کہ ہم اس بات کی چھان بین کریں کہ اہم آدرش اور مقاصد جو انسان کو اپنی طرف کھینچتے ہیں کیسے پایۂ تکمیل کو پہنچائے جاتے ہیں۔ حقیقی تعلیم اس وقت شروع ہوتی ہے جب انسان اپنے باطن میں موجود اس لامحدودیت کی طرف جانے کے لیے تمام بیرونی سہاروں سے منہ موڑ لیتا ہے جو خلقی علم کا قدرتی چشمہ اور اور نئے تصورات کا چشمہ ہے۔ جو لوگ میدانِ جنگ میں شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہیں وہ اپنی ہی بے پایاں قوت سے بدمست ہو جاتے ہیں اور جسم اور دنیا ان کے لیے موجود نہیں ہوتے۔ وہ خدائے لامحدود میں جذب ہو جاتے ہیں۔ یہ شجاعت ایک قسم کا مذہب ہے اور پس پردہ موجود طاقت (خدا) میں انجذاب ہے۔

اور پھر محبت اور بھگتی ہے۔ چند مقدس لوگ خدا کی محبت کے لیے بڑی خوشی سے اپنا سب کچھ قربان کر دیں گے۔ آدرش بھگت کو اس کی

پرارتھنا کی وارفتگی سے پہچانا جا سکتا ہے۔ وہ اپنی چھوٹی سی ذات کی قید سے مستثنیٰ ہوتا ہے۔ درحقیقت اعلیٰ ترین محبت عاشق و معشوق کے تصور کو فضیلت عطا کرتی ہے۔ لہٰذا متذکرہ معنوں میں محبت اور مذہب ایک ہیں۔ وجد کا مطلب ہے مسرت۔ چاہے یہ مسرت جسم دماغ اور دنیا سے باہر حاصل کی جائے۔ روٹی سے بھی آزادی ملتی ہے مگر عارضی طور پر۔ یہ مشاہدات ثابت کرتے ہیں کہ زندگی کے تمام مقدس اور پسندیدہ مقاصد صرف اس وقت میسر آتے ہیں جب کہ ذہانت اور تمام خارجی جذبات دنیا خدائے نامعلوم و بعید میں پگھل جاتے ہیں۔ حواسی لذتیں بھی مذہب ہیں لیکن ان کے ذریعے سے مذہب کا حصول اس طرح ہے جیسے کوئی گندی نالی میں سے اس کے دربار میں جھانکے۔

مذہب کے مقابلے میں فلسفہ

فلسفہ اور سائنس ماورائے تعریف خدا کے اندر جھانکنے میں ناکام رہے ہیں۔ زمان و مکاں اور امکان نے اپنی نوعیت کو جاننے والی تمام کوششیں ناکام بنا دی ہیں۔ تمام علومِ دینیات کے چہرے پر توہمات کی مہر ثبت ہے۔ فلسفہ کا ایک نظام فلسفے کے دوسرے نظام کو بھک سے اڑا کر رکھ دیتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ قدرت کا باطن ذہن کے لیے ہمیشہ ایک راز رہے گا اور انسان کا دماغ کائنات کی گہرائی کو پا نہیں سکتا۔

کیا ذاتِ مطلق (خدا) کی تلاش بے سود ہے؟ کیا ہم اپنی تمام تر توانائی صرف بارود، ریلوں وغیرہ کی دریافت جیسی عملی دریافتوں پر صرف

کریں ؟ اپنشد ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہمیں ان سوالات کا جواب ڈھونڈنا ہے: "یہ سارا کلیہ کس چیز سے پیدا ہوتا ہے ؟ میں ہوں تو کیوں ہوں ؟ زمین و آسمان کی اہمیت کیا ہے ؟ درحقیقت یہ سوالات بجائے خود اس راز کا ایک حصہ ہیں جسے وہ کھولنا چاہتے ہیں۔ جس طرح ایک عقاب اس فضا کے پار جا کر نہیں اڑ سکتا جس میں وہ اڑ رہا ہوتا ہے اسی طرح ہمارے خیالات اپنی جگہ کے میدان سے تجاوز نہیں کر سکتے۔ ایک حسّاس تربیت سے منزل تک پہنچا جا سکتا ہے اور جب یہ منزل پا لی جاتی ہے تو وہ سوال اور جواب کو بھی حل کر دیتی ہے۔ ویدانت لذتوں سے وابستہ انسان کو جکڑنے والے طریقۂ کار سے آزاد رہ کر اس منزل کی آرزو کرتا ہے۔ ایسے تصور میں گم ہو کر انسان خود "برہم" (خدا) ہو جاتا ہے۔ وہ انسان جو اس قسم کے عرفان کی ایک جھلک بھی دیکھ لیتا ہے وہ خوف اور تشویش سے بالاتر ہو جاتا ہے۔

خُدا اور انسان کی پریشانیاں

ہندو عقیدے کے مطابق ہر کوئی خدا ہے۔ اگر یہ بات ہے تو پھر لوگ دکھ کیوں اٹھاتے ہیں ؟ لوگ اس لیے پریشان نہیں ہوتے کہ ان کے پاس دکھ کا مداوا نہیں ہے بلکہ وہ اس لیے دکھ جھیلتے ہیں کہ وہ اس ڈبیہ کو کھولنا نہیں جانتے جس میں دکھ کا علاج ہے۔ دوسرے لفظوں میں لوگ یہ نہیں جانتے کہ وہ کیسے اپنی روح میں داخل ہوں اور آتما کا عرفان حاصل کریں۔ مذہب صرف ایک کوشش ہے کہ ہم اپنے آپ کو بے نقاب کریں اور ہم

اپنے آپ پر اپنی آتما کو واضح کریں۔ ہم نے اپنے ہی ہاتھوں سے اس گھر پر پردہ ڈال رکھا ہے جو ہمارے اندر ہے اور اس طرح ہم نے اپنے آپ کو دکھی بنالیا ہے۔

تمام مذاہب محض یہ کوششیں ہیں کہ اس نقاب کو پھاڑ دیں جس نے ہماری آنکھوں کو ڈھانپ رکھا ہے۔ چند مذاہب ایسے ہیں جو ہلکا نقاب رکھتے ہیں لیکن تمام مذاہب میں ایسے لوگ ہیں جو حقیقی روح رکھتے ہیں۔ ان کے لیے پردہ تھوڑی دیر کے لیے ہٹا دیا جاتا ہے اور وہ حقیقت کی جھلک دیکھ سکتے ہیں۔ دیگر مذاہب پر ویدانت کو یہ فوقیت حاصل ہے کہ وہ لاعلمی یعنی مایا کے پردے کو بہت ہی مہین بنا دیتا ہے اور ایک گیانی کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ خدا کے راحت آفریں دیدار سے لطف اندوز ہو۔

تمام مذاہب کے پرستار خدا سے مل کر ایک ہو سکتے ہیں اور اپنی آنکھوں پر سے اس وقت تک نقاب اٹھا سکتے ہیں خواہ وہ دبیز ہو کہ پتلا جب تک کہ خدائے برتر سے ہم کلام رہتے ہیں۔ ویدانت کا پیرو بھی ایسا کر سکتا ہے اور وہ اپنے آپ پر مسرت سے بھرپور وجد کی حالت طاری کر سکتا ہے لیکن وہ عام حالت میں بھی دیدار خدا سے لطف اندوز ہو سکتا ہے۔

مذاہب کی آزاد صورتیں

تمام مذاہب کو تین عنوانات کے تحت لایا جا سکتا ہے۔ پہلی صورت میں پردہ بہت ہی دبیز ہوتا ہے۔ پرستار کہتا ہے "میں اس کا ہوں!" وہ خدا پر یوں نظر ڈالتا ہے جیسے وہ اس سے دور ہو، غیر حاضر ہو اور

دکھائی نہ دیتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ وہ تیسرا صیغۂ تکلم استعمال کرتا ہے۔ یہ مذہب کا آغاز ہے۔ ایسا آدمی دنیا کو یوں دیکھتا ہے جیسے وہ خدا کی دنیا ہو۔ جب یہ سمجھ لیا جاتا ہے تو یہ تصور بھی عمدہ مسرت اور راحتِ ابدی عطا کرتا ہے لیکن مذہب کی حیثیت سے صرف یہ آغاز ہے۔ دوسرے مرحلے پر پرستار کہتا ہے "میں تیرا ہوں، مجھے ہر وقت تیری ضرورت ہے۔" پہلی بھی ایک رسیلی بات تھی لیکن یہ زیادہ رسیلی ہے۔ اب خدا ہمارے روبرو ہو جاتا ہے لیکن پیرو میں زندہ اعتقاد کی کمی ہو سکتی ہے۔ تیسری صورت میں پرستار کہتا ہے "میں ہی تو ہوں۔" اس آخری مرحلے میں دو ایک ہو جاتے ہیں۔ عاشق اور معشوق محبت میں ایک دوسرے میں گم ہو جاتے ہیں۔

یہ حاصل کردہ ویدانت ہے۔ پروانہ شمع تک جاتا ہے۔ اپنا جسم جلا دیتا ہے اور روشنی بن جاتا ہے۔ یہ اعلیٰ درجے کی عقیدت اور پرستش ہے۔ ویدانت علم کی انتہا ہے۔ ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنی ذہانت سے اس یقین تک پہنچنے کے بعد اپنے احساس سے اس حد تک اس تصور کا ادراک حاصل کرتے ہیں کہ وہ پردہ ہٹا دیتے ہیں اور نہ صرف راحتِ ابدی سے لطف اندوز ہیں بلکہ خود خدا بن جاتے ہیں۔ وہ اسی زندگی میں "جیو مکتا" یا نجات یافتہ بن گئے۔ مذہب میں نفاست پیدا ہونا یا پردے کا پتلا ہونا زیادہ تر ذہانت کے ذریعے میسر آتا ہے اور احساس کے ذریعے پردہ اٹھتا ہے۔

ہم خدا ہیں۔ ویدانت آپ کو یہ راہ دکھاتا ہے کہ آپ کی مسرت آپ کے ہاتھ میں ہے۔ دنیاوی خواہشات دخل کیوں دیں؟ صداقت کا ادراک حاصل کیجیے۔ آپ آزاد ہو جائیں گے۔ ویدانت کا عرفان حاصل کرنا بہت

دشوار ہے کیونکہ لوگوں کی اکثریت (خاص طور پر مغرب میں) یہ سوچتی ہے کہ انہیں اپنے آپ کو خدا میں تبدیل کرنا ہے یعنی ان کو اپنے باطن میں خدا تخلیق کرنا ہے۔ ویدانت کے مطابق آپ پہلے ہی خدا ہیں۔ خدا کے سوا اور کچھ نہیں ہیں۔ آپ کو خدا تخلیق نہیں کرنا ہے بلکہ اسے محض جاننا ہے، اس کا عرفان حاصل کرنا ہے یا اسے محسوس کرنا ہے۔ آپ کو خدا کو بروئے عمل لانا ہے اور اسے استعمال کرنا ہے۔ ایک انسان ہے کہ گھر میں وسیع و بیکراں خزانہ مدفون ہے لیکن وہ اسے بھول چکا ہے۔ اور دوسرا انسان ہے کہ اس کے پاس خزانہ ہے ہی نہیں۔ پہلا انسان کھدائی کرنے سے اسے پالے گا لیکن دوسرا انسان اسے نہیں پا سکے گا۔ خزانہ موجود ہے، اسے استعمال میں لائیے۔ فطرت کے اعتبار سے آپ کی روح غلیظ اور گناہگار نہیں ہے۔ یہ ایک انسان کے گناہ سے پست نہیں ہوئی اور یہ دوسرے انسان کی نیکی پر انحصار نہیں رکھتی کہ وہ اسے بچالے گا۔

اگر ہم ایک بلیک بورڈ کو رگڑیں اور صاف کر دیں تو وہ شفاف نہیں بن جائے گا لیکن ہم گرد آلود اور میلے شیشے کو چمکا سکتے ہیں۔ ہم شیشے کو اپنی کوششوں سے شفاف نہیں بناتے ہیں۔ ہم صرف وہ چیز نکال کر لاتے ہیں جو پہلے سے موجود تھی لیکن غیر شفاف بلیک بورڈ کے سلسلے میں یہ بات نہیں ہو سکتی۔ جبلّی اعتقاد کہ اس کی نجات کا امکان ہے ہر انسان میں مضبوطی سے منقش ہے اور وہ روح کی اصلی پاکیزگی کو ثابت کرتا ہے اور صرف کچھ دیر کے لیے بظاہر گندی ہوتی ہے۔ انسان کی حقیقی نوعیت خدا ہے۔ اگر خدا انسان کی حقیقی آتما نہ ہوتا تو اس دنیا میں کبھی کوئی پیغمبر یا رشی نہ آتا۔ لہٰذا رام کہتا ہے:

"ڈرو نہیں ـــــ باہر جاؤ۔ اپنی ساری طاقت جمع کرو اور زور سے اپنا پیدائشی حق حاصل کر لو۔"

آپ کی ذات، آپ کی آتما ایک شفاف ہیرے یا منوّر بلور کی طرح ہے۔ آپ اسے ایک کالی چیز کے ساتھ رکھ دیجیے وہ بھی کالا نظر آئے گا۔ لیکن خالص بلور کے ساتھ کوئی سرخ چیز رکھ دیجیے وہ سرخ نظر آئے گا۔ در حقیقت خالص بلور بے رنگ ہے۔ یہ تمام رنگوں سے بالاتر ہے۔ اسی طرح آپ کی آتما آپ کی حقیقی ذات ایسی ہے "جیسی کہ وہ ہے" خالص ہے" میں ہوں۔"

گناہوں کا کلیّہ

خوشامد نہ صرف ایک مہلک گناہ ہے بلکہ یہ عالم گیر بھی ہے۔ کیا وجہ ہے کہ خوشامد کو ہر کوئی پسند کرتا ہے۔ ایک حقیر کیڑے سے لے کر اعلیٰ ترین دیوتا تک؟ ہر کوئی اس کمزوری کا غلام کیوں ہے؟ کیوں ہر کوئی یہ چاہتا ہے کہ اس کی تعریف ہو اور اسے برتر سمجھا جائے؟ کتّے اور گھوڑے بھی یہ چاہتے ہیں کہ ان کی پیٹھ پر تھپکی دی جائے۔ ایک شکاری کتّے کی عادت یہ ہے کہ وہ تین چھلانگوں میں اپنے شکار کو دبوچ لے۔ اگر وہ ناکام رہتا ہے تو ہمّت ہار کر بیٹھ جاتا ہے۔ شکاری اس وقت اس کی پیٹھ سہلاتا ہے اور اس میں پھر طاقت آجاتی ہے۔

دیوتاؤں کو بھی خوشامد سے خوش کیا جاتا ہے۔ ہر کوئی یہ پسند کرتا

ہے کہ اس کی خوشامد کی جائے لیکن ایک بھی ایسا نہیں ہے جو حقیقی معنوں میں اس تعریف کا مستحق ہو جو اس کے پرستار اسے پیش کرتے ہیں۔ ویدانت اس کلیے کی وضاحت کرتا ہے۔ ہر فرد میں حقیقی ضبط نفس اور حقیقی آتما موجود ہے جو فی الواقع عظیم سے عظیم تر ہے۔ جب کوئی شخص ہمیں پسند کرنے اور ہماری خوشامد کرنے لگتا ہے تو ہم خوشی محسوس کرنے لگتے ہیں کیوں کہ ہماری حقیقی آتما ان تمام تعریفوں کی مستحق ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ رام خوشامد کو جائز سمجھتا ہے۔ جسم کی کوئی تعریف نہیں ہونی چاہیے مگر حقیقی آتما کی تعریف ہونی چاہیے۔ ہم جو غلطی کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہم سیزر کی وہ تعریف کرتے ہیں جو فقط خدا کے لیے ہوتی ہے۔

خود نُمائی

اس گناہ میں دُنیا کا ہر آدمی مبتلا ہے لیکن ہم جانتے ہیں کہ ہمارا وجود غرور یا برتری کا مستحق نہیں ہے۔ ہم میں یہ بے ضابطگی پیدا ہوتی ہے۔ ہمارے اندر عظیم سے عظیم تر یعنی حقیقی آتما موجود ہے۔ جب ہم اس بات کو سمجھ لیتے ہیں تو ہم تعریف حاصل کرنے کے لیے جھکیں گے نہیں۔ اگر ہم اپنی حقیقی آتما کو پا لیتے ہیں تو اپنے جسم کی تعریف سن کر ایسا معلوم ہو گا جیسے ہم اپنے آپ کو حقیر بنا رہے ہوں۔ اس وقت ہم جسمانی خود پسندی اور خود غرض غرور سے بالاتر ہوں گے۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ زمین گھومتی ہے اور سورج ساکن ہے لیکن ہم غلطی کرتے ہیں کہ ہم زمین کی حرکت سورج کو اور سورج کی بے حرکتی زمین کو دے دیتے ہیں۔ وہ لوگ بھی اس قسم کی غلطی کرتے ہیں جو خود نما اور خود پسند ہوتے ہیں اور غرور اور فخر کے بھوکے ہوتے ہیں۔ ایک طرف آتما ہے حقیقی

آفتاب۔ تجلیوں کی تجلّی، تمام عظمتوں کا سرچشمہ۔ دوسری طرف جسم ہے، زمین کی طرح جو ہر وقت تبدیل ہوتا رہتا ہے اور کسی تعریف کا مستحق نہیں لیکن ہم یہ غلطی کرتے ہیں کہ آتما کی عظمت جسم کو اور جسم کی اہلیت آتما کو دے دیتے ہیں۔ یہ غلطی اس توسیع کا سبب ہے جو ہم اپنے جسم کے لیے چاہتے ہیں۔ اگر ہم اس لاعلمی کو دور کردیں تو ہم خودنمائی اور گھمنڈ کو ختم کر سکتے ہیں۔

حرص یا لالچ

لالچ عالمگیر ہے۔ مرد، عورتیں اور جانور بھی لالچ کرتے ہیں۔ ہر کوئی اپنے اردگرد ہر طرح کی چیز چاہتا ہے۔ جتنی زیادہ چیزیں ہمیں ملتی ہیں اتنا ہی زیادہ ہماری حرص کا شعلہ بھڑکتا ہے۔

راجا کا لالچ شاہانہ ہوتا ہے اور غریب آدمی کا لالچ پست۔ یہ ایک عام گناہ ہے اور ہر عبادت گاہ میں پرچار کرنے والا حرص اور لالچ کے خلاف لوگوں کو خبردار کرتا ہے۔ بہرکیف ان کی درخواستوں کے باوجود لالچ موجود رہتا ہے۔ ویدانت یہ کہہ کر لالچ کی ہمہ گیریت کی یوں وضاحت کرتا ہے کہ انسان میں حقیقی آتما اپنا لوہا منواتی رہتی ہے۔ اس توانائی کو تباہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس کا صحیح استعمال کیا جاسکتا ہے۔ آپ اپنی لاعلمی کے باعث حقیقی آتما کی عظمت جسم کو دے دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ لالچ کے شکار ہو جاتے ہیں۔ اگر آپ اس غلطی کو دور کر دیتے ہیں تو آپ لافانی خدا بن جاتے ہیں۔ آپ اپنی حقیقی آتما کو پالیں اور پھر آپ کے لیے یہ ناممکن ہو جائے گا کہ آپ بیرونی چیزیں تلاش کریں اور انہیں اپنے جسم کے گرد

جمع کرلیں۔

بَندھن اور دُکھ

ایک شخص جو بندھن کے تابع ہے یہ چاہتا ہے کہ اس کے ارد گرد جو چیزیں ہیں وہ تبدیل نہ ہوں۔ کسی عزیز کی موت پر دکھ یہ ظاہر کرتا ہے کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ وہ عزیز خواہ مرد ہو یا عورت ہمیشہ ہمارے ساتھ رہے لیکن دنیا میں ہر چیز آنی جانی ہے۔

ویدانت ہمیں یہ بتاتا ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کے اندر ایک ایسی چیز ہے جو حقیقی معنوں میں غیر متغیر ہے لیکن غلطی سے حقیقی آتما کی اس نوعیت کو جسم کے حالات سے عبارت کر دیا جاتا ہے۔ اگر ہم اس لاعلمی کا خاتمہ کر دیں تو ہم دنیاوی رشتوں اور بندھنوں سے بالاتر ہو جائیں گے۔ آدمی کی اپنی زندگی کے سلسلے میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ ہم اگر ہمیشہ کے لیے نہیں تو جس حد تک ممکن ہو زندہ رہنا چاہتے ہیں۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ موت یقینی ہے لیکن ہم موت کا ذکر سن کر کانپ جاتے ہیں۔ ویدانت یہ کہہ کر اس بے ضابطگی کی وضاحت کرتا ہے کہ ہم میں سے ہر ایک میں حقیقی آتما موجود ہے جو تبدیل نہیں ہوتی اور لافانی ہے۔ موت پر عملی طور سے یقین نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انسان میں حقیقی آتما موجود ہے جو کبھی مر نہیں سکتی۔ ہمارا جسم جو تبدیل ہوتا رہتا ہے ہماری حقیقی آتما نہیں ہے۔ ہمیں یہ غلطی دور کر دینی چاہیے جو روح کی خصوصیات جسم کو عطا کر دیتی ہے۔

آزادی یا نجات

اِس دنیا میں پرندے، جانور اور انسان آزادی چاہتے ہیں۔ اقوام آزادی کے لیے جنگ کرتی ہیں۔ جب ہم حقیقی معنوں میں آزاد نہیں ہوتے ہیں تو ہم آزادی کی آرزو کرتے رہتے ہیں۔ ہم اکثر اوقات خواہشات اور ہوس کے غلام ہو جاتے ہیں۔ مذاہب نے بھی آزادی (ہندوؤں میں موکشں) کو منزل قرار دیا ہے۔

ویدانت کہتا ہے کہ ہم ہمیشہ تین دیواروں کی قید میں رہتے ہیں۔ وقت، مقام اور تعلیل کی دیواروں میں مقید رہتے ہیں۔ اس طرح پابہ زنجیر ہو کر ہم حقیقی معنوں میں آزاد نہیں ہو سکتے مگر اس کے باوجود ہم آزادی کی خواہش کرتے رہتے ہیں۔ اس بے ضابطگی کا سبب ہمارے اندر موجود ہے۔ ہم جس آزادی کی تلاش کرتے ہیں وہ حقیقی آتما کے لیے ہے جو لا محدود اور بے پایاں ہے لیکن لاعلمی کی وجہ سے ہم جسم کے لیے آزادی چاہتے ہیں جو ہماری مجموعی ذات ہے۔

وہ تمام گناہ جن کا انسان مرتکب ہوتا ہے ان کا باعث لاعلمی ہے جو حقیقی آتما کو ظاہر جسم و ذہن سے اُلجھا دیتی ہے۔ ہم ان کو لاعلم ختم کرنے سے ختم کر سکتے ہیں۔ ہم بظاہر اس توانائی کو تباہ نہیں کر سکتے۔ جو ہمیں گناہ کی طرف راغب کرتی ہے لیکن ویدانت اس طاقت کو روح میں تبدیل کر دینے کے لیے ہماری مدد کر سکتا ہے۔ ہمیں آتما اور جسم کے درمیان الجھاوے نجات حاصل کرنی چاہیے اور پھر ہر بات ٹھیک ہو جائے گی۔ ہمیں چیزوں کو غلط

مقام نہیں دینا چاہیے۔ خدا کو نیچے اور جسم کو اوپر نہیں رکھنا چاہیے، بلند ترین بہشت کو غلیظ ترین جہنم نہیں بنانا چاہیے۔ اگر ہمارا تصور درست ہو تو ہم "خدائے برتر" بن جاتے ہیں۔

مذہب کے تین پہلو

ہر مذہب اپنا فلسفہ، اپنی دیومالا اور اپنی رسوم رکھتا ہے۔ فلسفہ عقلمند اور دانشوروں کے لیے ہے۔ دیومالا جذباتی فطرت کے اشخاص کے لیے ہے اور رسوم عام انسانوں کے لیے ہیں۔ کپڑوں کا رنگ ویدانت کی رسوم سے وابستہ ہے۔ یہاں سرخ رنگ کا وہی مطلب ہے جو حضرت مسیح کے لیے صلیب کا تھا۔ صلیب عیسائیوں کو حضرت مسیح کا سولی پر چڑھایا جانا اور عیسائیوں سے ان کی محبت یاد دلاتی ہے۔ جس طرح حضرت مسیح نے دُکھ اٹھایا اسی طرح عیسائی اپنے گوشت، اپنی نفسانیت، اپنے خودغرضانہ مفادات اور اپنی چھوٹی انا کو صلیب پر چڑھاتے ہیں۔

ہندوستان میں زرد رنگ مُردے کا رنگ ہے۔ لاش زرد ہوتی ہے۔ لہٰذا جو انسان پیلے کپڑے پہنتا ہے اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس نے جسم کو تیاگ دیا ہے اور گوشت پوست سے بالاتر ہو گیا ہے۔ ایک بدھ کے پیلے کپڑوں کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمام ترغیبات اور دنیاوی خواہشات کے لیے مر چکا ہے۔ ویدانت کے پیروؤں کے کپڑوں کا رنگ آگ جیسا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اس شخص نے اپنا جسم چتا میں جلا دیا ہے اور اسے صداقت کی قربان گاہ پر چڑھا دیا ہے اور تمام دنیاوی خواہشات

کو جلا دیا ہے۔ اِس طرح ویدانت آگ کے بپتسمہ کا پرچار کرتا ہے۔ بائیبل میں کہا گیا ہے "جو شخص اپنی زندگی بچائے گا وہ اس سے محروم ہو جائے گا"۔ ہمیں اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم بلند زندگی کو بچانے کے لیے پست زندگی سے محروم ہو جائیں۔ دنیادار لوگ اپنی زندگیوں کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں اور خود کو شدید تشویش اور دکھ میں مبتلا کر لیتے ہیں۔ وہ آنسو اور مسکراہٹ کے درمیان جھولتے رہتے ہیں اور ان کا تصور ان کے گرد ایک قید خانہ تخلیق کر دیتا ہے۔

ویدانت ہم سے یہ تقاضہ کرتا ہے کہ ہم اس پست نوعیت اور لاعلمی سے چھٹکارا حاصل کریں۔ آئیے ہم اس لاعلمی اور اس پست نوعیت کو جلا دیں جو جسم کو جہنم بنا دیتی ہے۔ آئیے ہم علم کی آگ لے کر تمام گرد اور غلاظت کو جلا دیں اور مجسم شعلہ، مجسم آگ اور خدائی نور بن کر باہر آئیں۔ ویدانت کے پیرو کے سُرخ لباس کا یہی مطلب ہے۔

گوشت خوری

رام مذہب کے بے معنی امتناعات پر یقین نہیں رکھتے تھے لیکن انہوں نے کوئی فرمان یا امتناعات جاری نہ کیے۔ وہ مذہبی بے عقلی نہیں چاہتے تھے بلکہ وہ چاہتے تھے کہ مذہب کے طالب علم باشعور اور باارادہ ہوں جو مادیت کے تاریک جنگل کاٹ کر اپنا راستہ عقل و دانش کی درخشاں بلندیوں کی طرف لے جائیں۔

جب ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں کسی نے سوامی رام سے یہ

پوچھا کہ کیا ویدانت کا پیرو گوشت کھا سکتا ہے تو انہوں نے کہا :

"ویدانت جانوروں پر رحم و کرم کی بنا پر آپ سے یہ نہیں کہتا کہ آپ گوشت کھانے سے گریز کریں بلکہ اس بنا پر آپ سے یہ کہتا ہے کہ آپ گوشت سے پرہیز کریں کہ گوشت خوری آپ کو ایسی حالت میں مبتلا کر دیتی ہے کہ آپ آسانی سے غور و فکر نہیں کر سکتے لیکن اگر آپ گوشت کھائے بغیر نہیں رہ سکتے تو اسے ترک نہ کیجیے ۔ اگر آپ کو فوجی یا دیگر سرگرم فرائض ادا کرنے ہیں تو آپ چاہیں تو گوشت کھا سکتے ہیں اور آپ کو صرف ترکاریوں پر گزر بسر نہیں کرنی چاہیے۔ جہاں تک دیگر پیشوں کا تعلق ہے ہر کسی کو اسی کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنا چاہیے ۔ چند لوگ گوشت کے بغیر اچھا کام کر سکتے ہیں اور چند لوگ بُرا کام کر سکتے ہیں لیکن اگر گوشت کھا کر آپ دنیا کے آدرش کی بہتر خدمت کر سکتے ہیں تو اسے کھائیے اور اگر اس سے پرہیز کر کے آپ بلند ترین صداقت کو آگے بڑھا سکتے ہیں تو ضرور اس سے پرہیز کیجیے ۔ گوشت خوری اس وقت ایک گناہ بن جاتی ہے جب آپ ذائقہ کی تسکین کے لیے گوشت کھاتے ہیں لیکن گوشت خوری بُری نہیں ہے جب آپ کوئی اہم کام کرنے کے لیے گوشت کھاتے ہیں اور اپنے جسم کو نسلِ انسانی کے آدرش کو ترقی دینے کے لیے اچھی حالت میں رکھتے ہیں ۔"

رام کا نظام سنیاسی کے لیے بھی ہے اور دنیادار کے لیے بھی ۔ وہ یہ

نہیں چاہتا کہ ہم دنیا میں اپنے فرض کے مقام سے دوڑ جائیں۔ وہ صرف یہ کہتا ہے کہ آؤ ہم اپنا پارٹ اچھی طرح ادا کریں یہ بھولے بغیر کہ ہم ڈرامے کے اداکار ہیں۔ ہم وہ نہیں ہیں جن کرداروں کی ہم نمائندگی کرتے ہیں بلکہ زیادہ مقدس اور بلند ہیں۔ فی الحقیقت وہ یہ کہتا ہے کہ شادی ویدانت کے پیرو کی راہ میں رکاوٹ نہیں ہوتی بلکہ یہ خود آگہی کے راستے پر چلنے کے بہتر مواقع فراہم کرتی ہے لیکن رام مقدم طور سے اس بات پر زور دیتا ہے کہ ہمیں اپنی عظمت اور شان و شوکت حاصل کرنی چاہیے۔ وہ اس خیال کو ناپسندیدہ سمجھتا ہے کہ خدا ایک ہے اور روح صفر ہے۔ اُس کا تو یہ اعتقاد ہے کہ ہم جو کچھ سوچتے ہیں وہی بن جاتے ہیں اور حد سے زیادہ انکسار غلامی ہوتا ہے۔ رام کی تعلیمات اور مغرب کے دعوے میں یہ فرق ہے کہ رام کی تعلیمات کا تقاضا ہے کہ آتما پر زور دیا جائے جو سب میں ایک ہے جب کہ مغرب کی مادہ پرستی جسم پر زور دیتی ہے۔ اوّل الذکر اتحاد کی طرف لے جاتا ہے جو محبت پر مبنی ہے، اور موخر الذکر جدائی کی طرف لے جاتا ہے جو نفرت پر مبنی ہے۔ تمام مذاہب چوں کہ دعویٰ کرتے ہیں کہ خدا محبت ہے۔ لہٰذا محبت ہی کو دنیا پر حکمرانی کرنی چاہیے ؛

سلسلہ قومی سوانح حیات میں شائع کتابیں

۱۔	گروگوبند سنگھ *	گوپال سنگھ	۰۰ — ۲
۲۔	گرونانک دیو *	گوپال سنگھ	۲۵ — ۲
۳۔	کبیر *	پارس ناتھ تواری	۷۵ — ۱
۴۔	رحیم	سمر بہادر سنگھ	۰۰ — ۲
۵۔	تیاگ راجہ	پی. سمبامورتھی	۰۰ — ۲
۶۔	پنڈت بھات کھنڈے	ایس. این. رتن جنکر	۲۵ — ۱
۷۔	پنڈت وشنو دگمبر *	وی. آر. اٹھاوُلے	۲۵ — ۱
۸۔	شنکر دیو	مہیشور نیوگ	۰۰ — ۲
۹۔	سبرامنیا بھارتی	پریم نند کمار	۲۵ — ۲
۱۰۔	ہرش	وی. ڈی. گنگل	۷۵ — ۱
۱۱۔	قاضی نذرالاسلام *	بسودھا چکرورتی	۰۰ — ۲
۱۲۔	شنکر آچاریہ	ٹی. ایم. پی. مہادیون	۰۰ — ۲
۱۳۔	امیر خسرو	سید غلام سمنانی	۷۵ — ۱
۱۴۔	رنجیت سنگھ *	ڈی. آر. سود	۰۰ — ۲
۱۵۔	نانا فرنویس	وائی. این. دیودھر	۷۵ — ۱
۱۶۔	آر. جی. بھنڈارکر	ایچ. اے. پھڈکے	۷۵ — ۱
۱۷۔	ہری نرائن آپٹے	ایم. اے. کرن دیکر	۷۵ — ۱

۱۸۔ متھو سوامی ڈکشیٹر	ٹی ایل۔ ونکیٹا راما ایئر	۲ — ۰۰
۱۹۔ مرزا غالب	مالک رام	۲ — ۰۰
۲۰۔ رامانج اچاریہ	آر پرتھا سارتھی	۲ — ۰۰
۲۱۔ چندر گپت موریہ	للن جی گوپال	۱ — ۷۵
۲۲۔ ایشور چند ودیا ساگر	ایس بی۔ بوس	۲ — ۰۰
۲۳۔ سمدر گپت	للن جی گوپال	۲ — ۰۰
۲۴۔ اہلیا بائی	ہیرالال شرما	۱ — ۷۵
۲۵۔ سوامی دیانند	بی۔ کے۔ سنگھ	۲ — ۵۰
۲۶۔ سوامی رام تیرتھ *	ڈی۔ آر۔ سود	
۲۷۔ چیتنیہ	ڈی۔ کے۔ مکرجی	۲ — ۵۰
۲۸۔ جے۔ سی۔ بوس	ایس۔ این۔ باسو	۲ — ۰۰
۲۹۔ شیام شاستری	ودیا شنکر	۲ — ۰۰
۳۰۔ موتی لال گھوش	ایس۔ ایل۔ گھوش	۲ — ۷۵
۳۱۔ شری اروبندو گھوش	نوا جاتا	۴ — ۵۰

* اردو میں بھی شائع ہو چکی ہیں۔ باقی کتابیں زیرِ ترجمہ ہیں۔

بچّوں کے لیے دل چسپ اور خوب صورت کتابیں

ذاکر حسین میموریل سیریز

ابّو خاں کی بکری	(ذاکر حسین)	3/-
انوکھی دُکان	(قدسیہ زیدی)	2/50
دُنیا کے جانور	(قدسیہ زیدی)	2/50
گلابو چوہیا اور پریزاد	(قدسیہ زیدی)	2/50
راجہ رام موہن رائے	(عرش ملسیانی)	زیر طبع
خواجہ الطاف حسین حالی	(صالحہ عابد حسین)	" "
سلطان زین العابدین "بڈشاہ"	(رضیہ سجاد ظہیر)	" "

نہرو بال پستکالیہ

ہر کتاب کی قیمت : 1/50

باپو (حصہ اول) (ایف۔سی۔ فرٹیاس) مترجم: صالحہ عابد حسین

باپو (" دوم) (ایف۔سی۔ فرٹیاس) مترجم: صالحہ عابد حسین

کشمیر (مالا سنگھ) تصاویر: پریا ننتد مترجم: خدیجہ عظیم

پرندوں کی دنیا (جمال آرا) مترجم: محمد شفیع الدین نیّر

ہمالیہ کی چوٹیوں پر (بریگیڈیر گیان سنگھ) مترجم: محمد ذاکر

ہماری ندیوں کی کہانی (حصہ اول) (لیلا مجمدار) مترجم: رضیہ سجاد ظہیر

جنت کی سیر اور دوسری کہانیاں (لیلا وتی بھگوت) مترجم: رضیہ سجاد ظہیر

رسیلی کہانیاں (منوج داس) مترجم: صغرا مہدی

آزادی کی کہانی (حصہ اول) (وشنو پربھاکر) مترجم: انور کمال حسینی

" " (حصہ دوم) (ستنگل پرکاش) مترجم: انور کمال حسینی

ہماری ریلیں (جگجیت سنگھ) مترجم: عرش ملسیانی

بڑا پانی (لیلا مجمدار) مترجم: شفیع الدین نیّر

ہندوستان میں غیر ملکی سیاح (کے۔سی۔ کھنہ) تصاویر: کرشن کھنہ

آؤ ناٹک کھیلیں (اوما نند) مترجم: رفیعہ منظور الامین

خالہ بلی کا خاندان (منوہر داس چترویدی) مترجم: محمد شفیع الدین نیّر

بہت دن ہوئے (حصہ اول) (ایم۔ چوکسی و پی۔ ایم جوشی) مترجم: رضیہ سجاد ظہیر

بہادروں کی کہانیاں (راجندرا وستھی) مترجم: انور کمال حسینی

روہنت و نندیہ (کرشن چیتنیہ) مترجم: انور کمال حسینی

سدابہار کہانیاں (شانتا رنگا چاری) مترجم: انور کمال حسینی

ہورا (ملک راج آنند) مترجم: انور کمال حسینی

ایجادیں جنھوں نے دنیا بدل ڈالی (حصہ اول) (میر نجابت علی) مترجم: سید احسان

" " (حصہ دوم)

ہاکی کا کھیل (سردیندر سیانیال) مترجم: پریتم لال

ناشر۔ نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا A-5 گرین پارک نئی دلّی 16

تقسیم کار: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ نئی دلّی 25 ۔ دلّی 6 ۔ بمبئی 3 ۔ علی گڑھ 2

حکومتِ ہند نے وزارتِ تعلیم میں نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا کو ایک خود مختار تنظیم کی حیثیت سے ۱۹۵۷ء میں اس اہم ترین مقصد کو مدِّنظر رکھتے ہوئے قایم کیا تھا کہ ملک میں ایک ایسی فضا تخلیق کی جائے جس میں زیادہ سے زیادہ لوگ کتابیں پڑھنے کی طرف راغب ہوں۔

ٹرسٹ کی سرگرمیوں میں یہ باتیں شامل ہیں:
کتابوں کے میلے اور نمایش منظم کرنا، تصنیف و تالیف، ترجمہ، اشاعت اور کتابوں کی تقسیم سے متعلق مسائل پر مذاکروں اور کارگاہوں کا اہتمام کرنا۔

ٹرسٹ اپنے اس مقصد کو آگے بڑھاتے ہوئے اچھا ادب پیش کرتا ہے اور اچھے ادب کی تخلیق کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور یہ کوشش کرتا ہے کہ اس قسم کا ادب مناسب قیمتوں پر لوگوں کو فراہم کیا جائے۔